اہلِ سنّت و جماعت کے مذہب و مسلک کے مطابق چند ضروری عقائد
جن کا جاننا اور ماننا اہلِ حق کے لئے لازمی ہے

نظامُ العقائد

الْمعروف به

عقائدِ نظامیہ

مصنف: رئیس العارفین امیر الکاملین محب النبی

حضرت مولانا محمد فخرالدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

المتوفی ۱۱۹۹ھ

ترتیب وتدوین

حافظ محمد عبدالاحد قادری

اہلِ سُنّت و جماعت کے مذہب و مسلک کے مُطابق چند ضروری عقائد
جن کا جاننا اور ماننا اہلِ حق کے لئے لازمی ہے

نظام العقائد

اَلمعرُوف بہ

عقائدِ نظامیہ

مصنف: رئیس العارفین امیر الکاملین محبّ النبی

حضرت مولانا محمّد فخر الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

المتوفی ۱۱۹۹ھ

ترتیب وتدوین

حافظ محمّد عبدالاحد قادری

دربار مارکیٹ ۰ لاہور

Voice: 042-7248657 Fax: 042-7112954

Mobile: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466

E-mail: zaviapublishers@yahoo.com

مکتبہ قادریہ

042-37226193

2012ء

باراول........................1100

ہدیہ............................160

زیرِ اہتمام..............نجابت علی تارڑ

لیگل ایڈوائزرز

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

{ملنے کے پتے}

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف 0301-7241723

مکتبہ قادریہ پرانی سبزی منڈی کراچی 0213-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بھادر آباد کراچی 0213-4219324

مکتبہ غوثیہ ہول سیل کراچی 0213-4926110

مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی 0213-2216464

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 041-2631204

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

مکتبہ المجاھد بھیرہ شریف 048-6691763

رائل بک کمپنی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی 051-5541452

مکتبہ فیضان سنت بوھڑ گیٹ ملتان 0306-7305026

مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ 0321-7083119

فہرست

سماع (علماء ومشائخ کی نظر میں)

عرضِ مرتب

زیرِ نظر کتاب عقائد نظامیہ (تالیف حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) آج سے تقریباً چالیس سال قبل حضرت قبلہ میاں علی محمد خاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین بسی شریف کے حکم سے شائع کی گئی۔ اور بعد میں اسی کتاب کا عکس بیروت سے بھی شائع کیا گیا اور وہی بیروت والا نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ جب میں نے اس کا ذکر چوہدری نجابت علی تارڑ صاحب ناظم زاویہ پبلشرز سے کیا تو انہوں نے یہ کتاب چشتی نظامی سلسلہ کی اہم دستاویز ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب نئے جدید انداز میں شائع کیا جائے۔ ان کے قسم کی تعمیل کرتے ہوئے ئی ماہ کی محنت شاقہ سے اب یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب میں شامل ایمان ابوطالب پر تفسیر مظہری کی (عربی) کے اقتباسات تھے اور سماع کے متعلق کیمیائے سعادت (فارسی) کا ایک مکمل باب تھا جس کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ اور کتاب کو مزید مدلل کرنے کے لیے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کشف المحجوب سے بھی باب سماع کو شامل کر دیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ سماع کے متعلق بزرگانِ دین کی تحریر کو پڑھ کر فاسد خیال ختم ہوں گے اور مخالفین سماع کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سماع کے متعلق اہم مکتوب کو کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ ہدایت عطا فرمائے۔

دعا گو

محمد عبد الاحد قادری

۳ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ

پیش لفظ

۱. پاک پتن شریف سے رسالہ عقائدِ نظامیہ ۱۳۸۶ھ میں شائع کیا گیا تھا۔ اپنی افادیت کی وجہ سے یہ بہت مقبول ہوا اور جلد ہی ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہوگیا۔ اَب کافی مدت سے احباب اس کی اشاعت پر اصرار کر رہے تھے۔ چنانچہ مرشدنا حضرت قبلہ میاں علی محمد خان صاحب مدظلہم سجادہ نشین بسی شریف کے ایما سے مکرر شائع کیا جارہا ہے۔

۲. موجودہ اشاعت میں مسئلہ ''سماع'' کے متعلق ایک بلند پایہ علمی تحقیقی مقالہ بھی حضرت قبلہ موصوف کی اجازت سے شریک کر دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ جگراؤں ضلع لُدھیانہ کے مشہور متبحر عالم جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے اور ان کے فرزند رشید جناب مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے اسے ''یادِ پیر'' میں بطورِ ضمیمہ شائع کرایا تھا۔ عقائدِ نظامیہ کے افتتاحیہ میں پہلے یہ ذکر آچکا ہے کہ مخالفین ''سماع'' اِس بارہ میں اِس حد تک غلو کرتے رہے ہیں کہ حضرت قبلہ فخرِ جہاں مولانا محمد فخرالدین قدس سرہٗ پر قاتلانہ حملہ کی بنیاد اِسی مسئلہ کو بنایا گیا تھا۔ اس تحقیقی مقالہ میں احادیث نبویہ (ﷺ) پر مبنی نادر بحث کی گئی ہے۔ جسے بغرضِ استفادۂ عام رسالہ ''عقائدِ نظامیہ'' کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

۳. رسالہ ''عقائدِ نظامیہ'' میں شجرۂ طیبہ چشتیہ نظامیہ فخریہ پر مخمس بھی کتاب مستطاب ''یادِ پیر'' سے نقل کر دی گئی ہے تاکہ صاحبِ ذوق احباب اور رفقاء اِسے روزانہ پڑھ کر مستفید ہوں۔

ناشر

۹-جمادی الاول ۱۳۹۳ھ

۱۱-جون ۱۹۷۳ء

❁ ❁ ❁

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یہ رسالہ ''نظام العقائد'' عرف ''عقائد نظامیہ'' قدوۃ السالکین رئیس العارفین محب النبی سیدنا و مولانا حضرت محمد فخر الدین چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ عقائد کی تصحیح کے لیے ہر مسلمان مکلف ہے۔ کیونکہ عقیدہ کی درستی اور صحت کے بغیر کوئی عبادت مقبول اور ریاضت موجب ثواب نہیں ہوتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ عام طور پر لوگ یا تو ناواقفیت کی بنا پر یا دنیاوی مصروفیات کی کثرت کے سبب یا مغربی تعلیم کے ملحدانہ اثر سے یا علماء کے اختلافات کی وجہ سے متنفر ہو کر مذہب سے بے اعتناء اور آخرت کی تیاری سے بے پروا ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی لیے وہ عقائد کی درستی اور صحت کی طرف کماحقہ متوجہ نہیں ہیں حالانکہ یہ نہایت ضروری چیز ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ رسالہ ''عقائد نظامیہ'' حضرت مولانا موصوف نے جناب دیوان شیخ محمد یوسف صاحب سجادہ نشین آستانہ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ اور چند پیرزادگان کے اصرار پر پاک پتن شریف ہی میں تحریر فرمایا تھا۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں جناب مولانا مولوی صاحبزادہ سید دوست محمد صاحب چشتی نظامی اجمیر شریف نے اس کا اردو ترجمہ کر کے دہلی میں چھپوایا۔ اب راقم الحروف مرشدی و مولائی حضرت میاں محمد خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ارشاد پر اصل نسخہ اسی ترجمہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصنف رسالہ حضرت مولانا ممدوح کے کچھ حالات بھی تحریر کر دیئے جائیں۔

حالاتِ مصنف رحمۃ اللہ علیہ

مصنف کا اسم گرامی محمد فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند رشید ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں ہوئی۔ وقت کی قابل ترین ہستیوں نے آپ کی تعلیم میں حصہ لیا۔ اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے اور باطنی تکمیل کے بعد زیب دہ سجادۂ چشت اور مجدد سلسلہ قرار پائے۔ محب النبی کا لقب آپ کو سلطان الہند حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے عنایت فرمایا تھا اور حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے آپ دکن سے دہلی آئے تھے اور اجمیری دروازہ کے باہر غازی الدین خاں کے مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ منتہی طلباء کو آپ خود حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اس مدرسہ میں بیٹھ کر آپ نے صرف درسی کتابیں پڑھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے اور دین متین کی حفاظت و اشاعت کا وہ اہم فریضہ انجام دیا جس کے کارنامے تاریخ میں یادگار رہیں گے۔

پاک پتن حاضری

دہلی آنے کے تقریباً ایک سال بعد ۱۱۶۱ھ میں آپ پاک پتن شریف میں حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ شریک سفر قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور رشیدی قاسم خادم تھے۔ ایک گھوڑا کرائے پر لیا۔ خود پیدل چلتے تھے اور گھوڑے پر راہ ماندہ مسافروں کو بٹھاتے رہتے

تھے۔ جس عقیدت و محبت کے ساتھ یہ سفر طے ہوا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کئی سو میل کی مسافت حضرت نے پیادہ پا طے کی۔ ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ دن بھر چلتے رہتے تھے۔ پیروں میں آبلے پڑ گئے تھے مگر سفر جاری تھا۔ جب بالکل مجبور ہو جاتے تو ٹھہرتے۔ چھالوں پر مہندی لگاتے، ابھی مکمل آرام نہ ہونے پاتا تھا کہ پھر سفر شروع ہو جاتا تھا۔ راستہ میں (غالباً قصور سے) آپ نے بہ اشارہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شہر لاہور سے بہت سے کشمیری سیب خرید کیے۔ جوں جوں پاک پتن شریف قریب آتا جاتا تھا اشتیاق بڑھتا جاتا تھا۔ پاک پتن شریف کے قریب ایک گاؤں میں رات گزارنے کے لیے ٹھہرے۔ صبح ہوئی تو حضرت قبلہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کو نہ پایا۔ تلاش کیا تو نعلین مبارک پڑی ہوئی ملیں۔ بہت تشویش ہوئی۔ آخر پتہ لگا کہ حضرت پاک پتن پہنچ گئے ہیں اور حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احترام میں ننگے پاؤں یہ راستہ طے کیا ہے۔ اس وقت آستانہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین دیوان شیخ محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو سخت بیماری کے سبب نہایت کمزور ہو گئے تھے اور ان کو کشمیری سیبوں کی ضرورت تھی۔ جیسے ہی مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین صاحب سے ملے اور سیب نذر کیے تو وہ بہت خوش ہوئے اور بڑی عقیدت و محبت سے پیش آئے۔

مزار پر اعتکاف

حضرت مولانا نے جناب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کے قریب کوٹھڑی میں (جس کو اب قدم شریف کہا جاتا ہے) اعتکاف کیا۔ یہاں حضرت دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ یہ رسالہ "عقائدِ نظامیہ" تحریر فرمایا تھا۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں اللہ

تعالیٰ دینِ حنیف کی حفاظت و اشاعت کے لیے ایسے افرادِ صالحہ پیدا فرماتا رہا ہے، جن کی کوششوں سے شمعِ اسلام روشن رہی ہے۔ انہیں گرامی قدر ہستیوں میں حضرت مولانا صاحب بھی شامل ہیں۔ بارھویں صدی ہجری میں ہندی مسلمانوں پر جو مایوسی اور بے عملی کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکت سے دور ہوئی اور رشد و ہدایت کی ایسی شمع روشن ہوئی جس نے پورے ہندوستان (پاکستان) کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خصوصاً چشتیہ نظامیہ سلسلے میں بہار آگئی اور بقول صاحب "مناقب فخریہ" حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی والے عرفان کا چراغ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دلی توجہ سے اس ملک میں پھر روشن کر دیا اور آپ کی گرمیٔ نگاہ سے عشق و محبت کی شراب میں دوبارہ جوش آگیا۔ آپ کے اخلاق کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ چھوٹا بڑا امیر غریب سب آپ کے شیدائی تھے۔ آپ ہر آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ شدید بیماری میں بھی آپ اس کو ترک نہ کرتے تھے۔ دہلی میں اس وقت امیر الامراء نجف خاں کا بہت زور تھا اُسی کے اشارے پر فولاد خاں نے حضرت مظہر جانِ جاناں کو شہید کیا تھا اور پھر اس گروہ کے چند آدمی یہ کہتے سنے گئے تھے کہ سنیوں کے ایک پیشوا کو تو قتل کیا جا چکا ہے اب جو سب سے بڑا ہے اس کا نمبر ہے۔ یہ سن کر حضرت فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں نے آپ کی حفاظت کا پروگرام بنایا۔

جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس بات کو پسند نہ کیا اور فرمایا ہماری فکر نہ کرو۔ ہمارا حافظ و ناصر اللہ تعالیٰ ہے ہم اُس کی حفاظت و پناہ میں ہیں۔ ایک روز مولانا صاحب اپنے مدرسے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پٹھان چھری لے کر مدعیانہ آیا۔ سلام کے بعد پوچھا کہ مولوی صاحب اس فضیلت کے باوجود تم گانا کیوں سنتے ہو۔

حضرت نے فرمایا ہم خطاوار ہیں تم ہمارے لیے دعائے خیر کرو۔ یہ سن کر اس نے چھری نکالی اور حضرت پر وار کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضرت سلطان جی ؒ کے ایک صاحبزادہ موجود تھے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مولانا نے فرمایا اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا کہ ہم حاضر ہیں جو تمہارا دل چاہے کرو۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

اسی زمانہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ پر "تحفہ اثنا عشریہ" لکھنے پر عتاب ہوا۔ حویلی ضبط ہوئی۔ جلاوطنی کا حکم ہوا۔ تمام خاندان دُور تک پیدل گیا۔ آخر حضرت مولانا فخر الدین ؒ ہی نے اُن کے لیے خورد و نوش اور سواری کا انتظام کیا۔ پھر بادشاہ سے کہہ کر اُن کو عزت و احترام سے واپس بلوایا۔

اوصافِ حمیدہ

آپ کی عادتِ شریفہ تھی کہ غریبوں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے اور اگرچہ صاحب دعوت کا مکان دُور ہی کیوں نہ ہوتا مگر ضرور تشریف لے جاتے۔ اگر کھانے کی رغبت نہ ہوتی تب بھی اخلاقاً دو چار لقمے تناول فرما لیتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت مظہر جانِ جاناں ؒ اور شاہ ولی اللہ ؒ اور مولانا فخر الدین ؒ کی دعوت کر دی۔ تینوں حضرات وقت مقررہ پر اس کے ہاں گئے۔ بہت دیر کے بعد وہ شخص زنان خانہ سے باہر آیا اور پھر اندر چلا گیا۔ پھر کافی دیر کے بعد آیا اور کہا میں بھول گیا تھا۔ مجھے آپ کی دعوت یاد ہی نہ رہی تھی۔ اس لیے کوئی انتظام نہ کر سکا لہٰذا یہ دو دو پیسے آپ صاحبان لے لیں اور کھانا بازار سے کھالیں۔ یہ سن کر حضرت مظہر جانِ جاناں ؒ نے فرمایا تم نے ہم کو سخت اذیت پہنچائی۔

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے خاموشی سے پیسے لے لیے مگر حضرت مولانا فخر الدین ؒ نے کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے وہ پیسے لیے۔ آپ تمام کاموں میں سنت نبوی ﷺ کے پابند تھے اور ہر شخص کو سنت نبوی ﷺ کی اتباع کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اپنے دوستوں، احباب اور مریدین کی خاص خبر رکھتے تھے۔ اگر ہمیشہ آنے والا ایک دو روز نہ آتا تو خود کسی کے ذریعہ اس کی خبر منگواتے تھے۔ ایک مرتبہ پیرا خاکروب دو دن نہیں آیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ کچھ رقم خرچ کے لیے اس کو دی۔ پھر فرمایا میاں پیر محمد تم دو دن نہیں آئے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ بیمار ہو تمہاری خیریت معلوم کرنے میں تاخیر ہوئی معاف کرنا۔

آپ ہمیشہ لوگوں سے گفتگو کرتے وقت ان کو حضرت یا صاحب کہہ کر مخاطب فرماتے تھے۔ سوتے وقت کتاب "فوائد الفواد" سینے یا سر کے نزدیک رکھتے تھے۔ دوستوں کی غم خواری اور پرورش میں کوشش بلیغ فرماتے تھے۔ رمضان شریف میں تمام رات بیدار رہتے تھے اور سب ہمراہیوں کی قہوہ، شکر، دودھ سے ضیافت کرتے تھے۔ سادات، پیرزادوں اور سفید پوش شرفاء کو خاموشی سے بہت کچھ دیتے رہتے تھے۔ بھکاریوں کو دو پیسے سے زیادہ نہ دیتے اور فرماتے تھے کہ یہ تو در در مانگ کر بھی اپنا خرچہ پورا کر لیں گے۔ مگر یہ غریب شرفاء مانگ بھی نہیں سکتے۔ یہ زیادہ کے مستحق ہیں۔ غرضیکہ آپ کی ذاتِ گرامی سے یہ بات پُوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمہ کا عملی نمونہ اس زمانہ میں حضرت مولانا فخر الدین ؒ تھے۔ آپ کی توجہ کی برکت سے سینے حقائق سے معمور ہو گئے۔ مردہ دل زندہ ہو گئے۔ زندہ دل بسمل بن گئے۔ مسجدیں آباد ہو گئیں۔ خانقاہوں سے ہُو حق کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

تصنیفات

حضرت مولانا صاحب کی تصانیف میں تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

1. نظام العقائد یعنی عقائدِ نظامیہ (زیرِ نظر کتاب)
2. رسالہ مرجیہ
3. رسالہ فخر الحسن

علماء کا بیان ہے کہ یہ تینوں کتابیں آپ کی علمیت اور محققانہ قابلیت کی آئینہ دار ہیں۔ سرسید نے لکھا ہے کہ: "یہ رسائل آپ کی علمی مہارت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع" ہیں۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی نے جب رسالہ فخر الحسن دیکھا تو فرمایا:

"حُسنِ اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے۔ لیکن یہ تحقیق جو حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ہم کو بھی معلوم نہ تھی۔"

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی کے مقدمہ میں حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح یاد کیا ہے:

"برادرِ دینی جوہر حق گزینی سالک راہ خدا جوئی ملازم طریقۂ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلائق مآب و بالفضل اولنا فخر الملۃ والدین محمد فخر الدین قدس سرہ الامجد۔"

بہادر شاہ ظفر کا خراجِ تحسین

بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار نے آپ کی جناب میں خراجِ عقیدت اس طرح پیش کیا ہے:

جس کو حضرت نے کہا الفقر فخری اے ظفر
فخرِ دیں فخرِ جہاں پر وہ فقیری ختم ہے
اے ظفر کیا بتاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں
لیکن اپنے فخرِ دیں کے کفش برداروں میں ہوں

وصال

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۷۳ سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ کو دہلی میں ہوا اور حضرت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ میں دفن کیے گئے۔ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس مدرسہ میں آپ کے جلیل القدر خلیفہ عالم علومِ ربانی حضرت حاجی سید لعل محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے قائم مقام ہوئے۔ مرشدی و مولائی جامع منقول و معقول حضرت میاں علی محمد خان صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائہ سجادہ نشین بسی شریف ضلع ہوشیار پور حال آباد پاک پتن شریف حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت میاں صاحب اور حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں۔

خلفاء

حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ضیاء الدین جے پوری اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ یہ نادر و کمیاب رسالہ جو علمِ عقائد پر بہترین معلومات کا مجموعہ ہے۔ حضرت میاں صاحب کے فیضان سے ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ اس زمانہ میں ہر مرید کو کم از کم ان عقائد کا علم ہونا

ضروری ہے تاکہ آخرت کی تیاری میں پوری توجہ کے ساتھ مشغول ہوا جا سکے۔ خدا کرے یہ کوشش کامیاب و مقبول ہو اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ آمین و باللہ التوفیق۔

فقط

خاکپائے درویشاں

سید مسلم نظامی عفی عنہٗ

نظامی حجرہ آستانہ حضرت باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ

پاک پتن شریف

مورخہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۸۶ھ

بمطابق ۴ ستمبر ۱۹۶۶ء

❁ ❁ ❁

عقائدِ نظامیہ

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تعریف جس کا پار نہ ہو اور ثنا جس کا شمار نہ ہو خاص خالق و دود جل شانہ کو یعنی پیدا کرنے والے کو کہ دوست و مہربان ہے اور اس کی بہت بڑی شان ہے اور بے حد درود محمود کونین یعنی دونوں جہان کے سراہے ہوئے پر اور رسول الثقلین یعنی جن و انسان ہر دو مخلوق کے لیے بھیجے ہوئے پر کہ نام پاک آپ کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپ کی آل و اصحاب پر ہو۔ اس کے بعد بیان ہے کہ جب یہ مؤلف بے مایہ محمد فخر الدین (رحمۃ اللہ علیہ) جن کی ظاہری اور باطنی پیدائش رئیس السالکین شیخ المشائخ تاج الواصلین فخر العاشقین حضرت نظام الدین اورنگ زیب آبادی قدس سرہٗ العزیز سے ہوئی ہے۔ زیارت کے لیے قدوۃ العارفین حریق المحبۃ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم فریدالدین شکر بار مسعود اجودھنی (پاکپتن شریف) کی (خدائے برتر ان کے لطفِ خفی و جلی سے میری مدد کرے) کہ یہ زیارت حق کے طلبگاروں کے حق میں کبریت احمر یعنی اکسیر ہے۔ اورنگ آباد خجستہ بنیاد سے درگاہ پاک پتن میں پہنچ کر اس جناب ہدایت مآب کی سعادت سے بہرہ یاب ہوا۔ اس آستانہ کے اکثر اعزہ نے کرم و عنایت کی راہ سے فرمایا کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے جو مخلوق کے پیشوا امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے طریق پر ہوں۔ دین آسان عبارت میں تحریر کر دیں کہ اس جناب فیض انتساب یعنی حضرت باوا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ میں یاد آوری کا موجب رہے۔ حالانکہ مسائل کے اختلاف کے سبب اس قدر اپنی استطاعت نہیں پاتا تھا اور نہ ان کے سوال

کو نہ مان کر رد کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اس لیے فرشتہ عادات، قدسی صفات، مخلوق کو سیدھی راہ چلانے والے، دین مضبوط کے راستوں میں لوگوں کو ارشاد کرنے والے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دامن میں بذریعہ "فقہ اکبر" کے جو امام اکبر رضی اللہ عنہ کی تالیف ہے میں نے استفادہ کیا اور آسان عبارت میں اس کو بیان کیا۔ اور ہر مسئلہ کا شروع لفظ عقیدہ سے کیا تاکہ عام و خاص امام انام کے کلام سے جو اہل سنت و جماعت حنفی کی بنا اور اصل ہیں بہرہ یاب ہو کر اس ناچیز کو پیروی سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خیریت خاتمہ کی دعا کر کے افتخار بخشیں۔ اُمید ہے اگر کوئی سہو یا نسیان نظر میں آجائے تو موافق حکم "العفو عند کرام النّاس مامولٌ" یعنی بزرگ لوگوں کے نزدیک معافی کی امید ہے معاف فرما کر درست کر دیں۔

عقیدہ نمبر 1

توحید کی اصل اور جس سے اعتقاد صحیح ہوتا ہے یہ ہے کہ زبان کو دل کے موافق کر کے یوں کہے کہ میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ کو ذات میں ایک جاننے پر اور صفات میں یکتا سمجھنے پر اور میں ایمان لایا فرشتوں پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور گناہوں اور نافرمانیوں سے پاک ہیں۔ اور مرد اور عورت ہونی سے پاک ہیں اور میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر جیسے توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید وغیرہ جن کا شمار مقرر نہیں اور میں ایمان لایا تمام نبیوں اور رسولوں پر اور میں ایمان لایا مرنے کے بعد زندہ کر دینے پر یعنی تمام مخلوقات کا ایسے مرتبہ میں ٹھہرانا جس میں زمان و مکان کی قید کے ساتھ بھلائی اور برائی اور نفع اور نقصان پایا جاتا ہے۔

عقیدہ نمبر 2

افعال کا حساب اور اعمال کا ترازو اور بہشت اور دوزخ اور پل صراط اور

حوضِ کوثر حق ہے۔

عقیدہ نمبر 3

اللہ تعالیٰ ایک ہے نہ ایسا کہ گنتی کی طرح۔ اس کے بعد دوسرے کا وہم پیدا ہو یعنی کوئی اس کا شریک نہیں ہے نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔

عقیدہ نمبر 4

مخلوق میں اس کی کوئی مشابہت نہیں رکھتا اس کو امام نعیم ابن حماد نے روایت کیا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے کسی کے ساتھ مشابہ کیا یا تشبیہ دی کسی چیز کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے، تو یقیناً اس نے کفر کیا۔

عقیدہ نمبر 5

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اپنے اسماء کے ساتھ اور اپنی ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ اور اس کی ذاتی صفات سات ہیں یعنی صفت حیات کہ زندگی ہے۔ اور (۲) صفت قدرت یعنی قادر ہونا اور (۳) صفت علم یعنی جاننا (۴) اور صفت کلام یعنی بولنا (۵) اور صفت سمع یعنی سننا (۶) اور صفتِ ارادت یعنی قصد و ارادہ کرنا اور (۷) اس کی فعلی صفتیں تخلیق یعنی پیدا کرنا اور ترزیق یعنی رزق دینا اور انشا یعنی مادہ سے بنانا اور ابداع یعنی بغیر مادہ بنانا اور صنع یعنی کاریگری اور اس کے سوائے۔

عقیدہ نمبر 6

اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات سب کے سب ازلی یعنی ہمیشہ سے ہیں جن کی ابتداء نہیں اور ابدی یعنی ہمیشہ تک ہیں جن کی انتہا نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر 7

اللہ برتر "عالم ہے" یعنی جانتا ہے اپنی صفتِ علم سے جو ازلی ہے۔ اور قادر یعنی صاحبِ قدرت ہے اپنی صفتِ قدرت سے جو ازلی ہے اور متکلم ہے یعنی کلام کرتا اپنے کلام نفسی سے جو اس کے نفس کی صفت ہے ہمیشہ کہ اس کے کلام کرنے کی ابتدا نہیں اور خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے اپنی تخلیق یعنی پیدا کرنے کی صفت سے اور فاعل ہے یعنی کرنے والا ہے اپنے فعل سے کہ اس کی صفت ہے جو ہمیشہ سے ہے۔ یہ سب اس کی صفات ازلی ہیں لہٰذا وہ ہمیشہ سے عالم قادر خالق فاعل وغیرہ ہے۔

عقیدہ نمبر 8

مفعول مخلوق ہے اور حادث ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی نے کیا وہ عدم سے وجود میں آ کر مفعول بنا۔ پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل سے وہ پیدا ہو کر مخلوق ہوا اور پہلے نہ تھا۔ پھر وجود میں آیا لہٰذا حادث ہوا۔ البتہ فعل اللہ تعالیٰ کا مخلوق نہیں بلکہ اس کی صفت قدیم ہے یعنی عدمین سے فارغ ہے کہ عدم سے وجود میں آنا مخلوق و حادث کی طرح اس کے لیے نہیں ہے بلکہ اول و آخر عدم یعنی نہ ہونے سے وہ پاک ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے۔ پس غیر مخلوق اور قدیم ہے۔

عقیدہ نمبر 9

اللہ تعالیٰ کی صفات سب ازلی ہیں۔ حادث اور مخلوق نہیں ہیں تو جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں یا اس مسئلہ میں توقف کیا یا شک کیا خواہ حالتِ شک میں اس کے شک کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ ہاں اور نہیں کہنے میں یا شک کی ایک طرف کو ترجیح دیتا ہو حادث کے ہاں یا نہیں کہنے میں تو وہ کافر ہے۔

عقیدہ نمبر 10

قرآن مجید کہ اس سے مراد یہاں کلامِ نفسی اللہ تعالیٰ ہے جیسا شرحِ فقہ اکبر ملا علی قاری میں رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کی شان سب سے بڑی ہے کتابوں میں ہاتھوں سے لکھا گیا ہے نقوش حروف کے واسطہ سے کلموں کی صورتوں میں اور دلوں میں حفظ کیا گیا ہے غائب چیزوں کا تصور کر کے یا معنی دار کا تصور کر کے خیالی لفظوں میں اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے۔ انہیں خیالی لفظوں کے حروف کے ذریعہ سے سننے میں آتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف حالتوں اور وقتوں میں مفرد اور مرکب حرفوں کے وسیلہ سے اتارا گیا ہے اور نازل ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر 11

ہمارا تلفظ یعنی لفظ کر کے بولنا قرآن مجید کو مخلوق ہے۔ اور ہمارا لکھنا قرآن مجید کو اور ہمارا پڑھنا یا حفظ کرنا جیسا شرح فقہ اکبر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میں ہے قرآن شریف کو مخلوق ہے۔ اس لیے کہ کہنا اور لکھنا اور پڑھنا یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور مخلوق کا فعل مخلوق ہے۔

عقیدہ نمبر 12

قرآن مجید یعنی کلامِ نفسی اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق ہے اور ایسا نہیں ہے مصحفوں یعنی کتابوں میں اور غیر مصحفوں یعنی دلوں میں یا زبانوں پر حلول کر جائے یعنی سما جائے خواہ لکھ کر ہو یا اشارہ سے ہو۔

عقیدہ نمبر 13

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا خبروں کی نسبت اور حضرت موسیٰ

اور تمام انبیاء صلوٰۃ اللہ علیٰ نبینا و علیہم السلام کے آثار کی نسبت اور فرعون اور ابلیس کی نسبت وہ سارا کا سارا اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

عقیدہ نمبر 14

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام اگرچہ اپنے رب کے ساتھ تھا اور کلام تمام نبیوں اور رسولوں کا اور ان فرشتوں کا جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں مخلوق اور حادث ہے۔

عقیدہ نمبر 15

قرآن مجید حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ مجازی طور پر، پس قدیم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اور سنا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے كَلَّمَ اللّٰهُ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے کلام کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا۔

عقیدہ نمبر 16

بے شک اللہ تعالیٰ متکلم تھا ازل میں اور یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہ تھا بلکہ اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

عقیدہ نمبر 17

بے شک اللہ تعالیٰ خالق تھا ازل میں مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے۔

عقیدہ نمبر 18

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو اپنے کلام قدیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا کہ وہ کلام قدیم اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلقت سے پہلے کا تھا۔

عقیدہ نمبر 19

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوقات کی صفتوں کے برخلاف واقع ہوئی ہیں کہ ان کی صفتیں کسی وجہ سے اس جناب پاک کے مشابہ نہیں ہیں اگرچہ اسمی یعنی فقط نام کا اشتراک واقع ہے۔

عقیدہ نمبر 20

اللہ تعالیٰ جانتا ہے چیزوں کی حقیقتوں کو اور ان کی کلیات کو اور ان کی جزئیات کو اور ان کے ظاہر کو اور ان کے باطن کو علم ذاتی سے جو ازلی اور ابدی ہے نہ کہ ہمارے جاننے کی مانند کیونکہ ہم چیزوں کو جانتے ہیں اپنے حواس کے آلوں اور صورتوں کے تصور کرنے سے جو موافق ہمارے فہموں کے ذہنوں میں آتی ہیں۔

عقیدہ نمبر 21

اللہ تعالیٰ قادر ہے نہ کہ ہماری قدرت کی طرح کیونکہ اس کی قدرت قدیم ہے بغیر آلوں کے اور بغیر مشارکت کے کہ اس کو ان کی احتیاج نہیں۔ بخلاف ہمارے کہ ہم مخلوق قادر نہیں ہیں مگر بعض چیزوں پر وہ بھی آلوں کے وسیلہ سے اور مددگاروں کی مدد سے۔

عقیدہ نمبر 22

اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے نہ ہمارے دیکھنے کی مانند اور سنتا ہے نہ ہمارے سننے کی مانند کیونکہ ہم دیکھتے ہیں شکلوں اور مختلف رنگوں کو۔ اور ہم سنتے ہیں جڑے ہوئے کلموں والی آوازوں کو آلوں سے جو اعضائے مرکب یعنی آنکھ، کان منہ میں پیدا کیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے شکلوں اور رنگوں اور مختلف صورتوں کو اپنی اصلی دائمی نظر سے اور سنتا

ہے آوازوں کو اور مفرد اور مرکب کلموں کو اپنی سماعت سے کہ اس کی ازلی صفت ہے بغیر آلوں کے اور کائنات و مخلوقات میں بغیر کسی مشارت کے اگرچہ دیکھی ہوئی اور سنی ہوئی اشیاء حادث مخلوق میں سے ہیں۔

عقیدہ نمبر 23

اللہ تعالیٰ کہتا ہے نہ کہ ہمارے کلام کی مانند کیونکہ ہم کلام کرتے ہیں حلق اور زبان اور ہونٹ اور دانت اور حرف سے اور اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے بغیر وسیلہ کے اور حروف کے اپنی ذات اور صفات کے کمال سے۔

عقیدہ نمبر 24

حروف مخلوق ہیں آلوں کی طرح اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے بلکہ قدیم ہے ذات کے ساتھ یعنی ذاتی صفت ہے کہ مع ذات قدیم ہے۔

عقیدہ نمبر 25

اللہ برتر اور صاحبِ برکت ہے یعنی موجود ہے ذات وصفات کے ساتھ اور مخلوقہ چیزوں کے مانند نہیں ہے ذات وصفات کی رو سے بلکہ معنی اللہ تعالیٰ کے شے ہونے کے اشیاء کی مانند نہیں ہیں۔ ذاتِ اللہ تعالیٰ کی وجود وہستی کا اثبات بغیر جسم اور بغیر عرض اور جوہر کے ہے جیسا کہ اشیاء صاحب جسم اور عرض اور جوہر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے اس کا ذات میں اور تمام صفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر 26

اللہ تعالیٰ کی حد اور انتہا نہیں ہے اور ضد اور منازع یعنی کوئی جھگڑنے والا اور ممانع یعنی کوئی منع کرنے والا اس کا نہیں نہ ابتدا میں نہ انتہا میں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ

کے لیے شبیہ وشکل ہے۔

عقیدہ نمبر 27

اللہ تعالیٰ کے ید اور وجہ اور نفس مبارک ہے جیسا کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔ اس سبب سے کہ خدائے برتر نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ وجہ یعنی منہ کی نسبت یہ ذکر چنانچہ اس کا قول ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ الخ یعنی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے مگر روئے مبارک اس کا۔ اور یدؔ یعنی ہاتھ کی نسبت یہ ذکر جیسا اس کا قول ہے یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یعنی خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے اور نفس کی نسبت یہ ذکر جیسا اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بطور حکایت ہے "تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ الخ" یعنی تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور جو تیرے جی میں ہے وہ میں نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کی صفات بلا کیف ہیں یعنی بغیر اس کے کہ کیونکہ اور کیسی ہیں۔ اس لیے کہ کیفیاتِ صفات معلوم نہیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں کیونکہ محدود بے حدود کو حد میں نہیں لا سکتا اور بغیر احاطہ کیے کیفیت وحقیقت نہیں جانی جا سکتی۔ پس ازلی وابدی صفات کی کیفیات ان کے قدیم ودائم ہونے کے سبب کوئی مخلوق حادث جو حد میں محدود ہے نہیں جان سکتا۔ ناچار اس کے بلا کیف ہونے پر ایمان واعتقاد لائے گا۔

عقیدہ نمبر 28

مذکورہ بالا صفات والفاظ کی تاویل کر کے یوں نہ کہنا چاہیے جیسا کہ پچھلے جو اگلوں کے مخالف ہیں کہتے ہیں کہ یدؔ سے مراد قدرت ہے یا نعمتِ حق ہے اس لیے کہ تاویل کی صورت میں صفتِ حق کا باطل کرنا ہے حالانکہ مثل صفتِ قدرت یہ بھی ایک صفتِ حق ہے اور یہ قول تاویل قدریہ اور معتزلہ کا ہے اور نہ ہم اس کو مثل مخلوق کے ہاتھ کے جانتے ہیں ولیکن یدِ حق صفتِ حق ہے بلا کیف کہ ہم اس یدؔ کی کیفیت کو جو خدا کی

صفت ہے نہیں پہچانتے ہیں جیسا کہ اس کی باقی صفات کی کُنہ اور حقیقت کی معرفت میں ہم عاجز ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اسی طرح ذات کی معرفت سے بھی ہم عاجز ہیں لہٰذا اس کو بلا کیف ایک صفتِ حق جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 29

اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی رضا یہ بھی اس کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں لیکن بلا کیف۔

عقیدہ نمبر 30

اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو پیدا کیا بغیر مادہ کے کہ مخلوقات پر پہلے سے ہووے یعنی اشیاء کے پیدا کرنے سے پہلے کوئی مادہ نہ تھا جس سے مخلوق کو بنایا بلکہ بغیر مادہ کے اشیاء کو پیدا کیا جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اس کلیہ میں مادہ بھی داخل ہے اور مادہ کا خالق بھی وہی ہے۔ پس ابتدا ہر چیز کی بے مادہ ہے۔ حالانکہ پیدائش بعض چیزوں کی بعض مادوں سے پہلے عقیدہ کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اصل مواد مخلوق کا غیر موجود ہے۔

عقیدہ نمبر 31

اللہ تعالیٰ جانتا تھا اشیاء کو ازل میں اشیاء کے وجود سے پہلے اس حال میں کہ مقدر کیا ہے اشیاء کو اپنے ارادہ کے موافق اور حکم کیا مطابق اپنے علم کے اشیاء میں پس اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور اس علم کے بعض متعلقات حادث ہیں جیسا نص صریح اس کی دال ہے کہ سورۂ سبا میں ہے "ولا يغرب عنه مثقال ذرّةٍ الخ" یعنی اور اس سے چھپا نہیں رہتا ہے ذرہ برابر آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہیں ہے اس سے

خورد اور نہ اس سے بزرگ تر مگر یہ کہ لکھا ہوا ہے کہ کتاب روشن میں یعنی لوحِ محفوظ میں "یہ خلاصہ تفسیر حسینی کا ہے۔"

عقیدہ نمبر 32

نہیں رہتا ہے یا ہوتا ہے دنیا میں اور نہ آخرت میں کوئی موجود حادث تمام احوال میں مگر اس کی مشیت اور اس کے علم اور اس کی قضا سے یعنی اس کے حکم سے اور اس کے قدر سے کہ موافق مقدار اس کے اندازہ کرنے سے ہے اور اس کے لکھ دینے سے ہے لوحِ محفوظ میں جو موافق وصف موجود حادث کے ہے نہ موافق حکم کے یعنی اللہ تعالیٰ نے ساری اشیاء کے حال میں یہ بات لکھ رکھی ہے کہ اس طرح اور اس طرح قضا کے موافق ہوگا نہ امر کی وجہ پر کیونکہ امر کرتا تو اسی وقت وجود میں آجاتا اور قضا و قدر اس کے حکم میں اجمالی اور تفصیلی اور مشیت کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جو موجود حادث کو متعلق ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے ازلی بلا کیف۔

عقیدہ نمبر 33

اللہ تعالیٰ جانتا ہے معدوم کو اس معدوم کے نہ ہونے کی حالت میں اور جانتا ہے کہ وہ معدوم موجود ہونے کے وقت کس حال میں پیدا ہوگا۔

عقیدہ نمبر 34

اللہ تعالیٰ جانتا ہے موجود کو اس کے ہونے کی حالت میں اور جانتا ہے کہ کس طریق سے فنا ہوگا۔

عقیدہ نمبر 35

اللہ تعالیٰ جانتا ہے "قائم" کو اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں۔ پھر

جب بیٹھتا ہے وہ قائم تو اللہ تعالیٰ اس کو قاعد جانتا ہے اس کے بیٹھنے کی حالت میں بغیر تغیر ہونے اس کے علم کے ازل میں یعنی علمِ ازلی اللہ تعالیٰ کا موجود کے بیٹھنے اور اٹھنے اور زندہ ہونے اور مرنے اور نماز اور روزہ سے اور اس کی ساری جگہ سے تغیر نہیں پاتا ہے اس طرح کہ ازل میں تو نہ ہوا ہووے اب احوال مذکورۂ بالا کے اس قسم کے اختلاف کے سبب حادث ہوا۔ اور لیکن تغیر اور اختلاف احوال کا بسبب قیام اور قعود اور اس جیسے افعال کے مخلوقات میں پیدا ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر 36

اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا خلق کو سادہ آثار کفر اور انوار ایمان سے یعنی بے رنگ کفر و ایمان اِس طرح کہ ان کو قابل اس کے بنا دیا کہ ان سے عصیان اور احسان واقع ہو، یعنی نافرمانی اور عبادت جو حضورِ دل سے ہو۔ بعد اس کے خطاب کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو تکلیف کے وقت میں عبادت کے ساتھ اور وقت تکلیف کا شرع میں بلوغ ہے جس کا اندازہ علماء نے پندرہ برس کیا ہے اور حکم کیا ان کو ایمان اور طاعت کا اور منع کیا ان کو کفر و معصیت سے۔ پھر جس نے کفر کیا کفر کیا اپنے فعل سے اور اپنے اختیار سے اور اپنے انکار اور اپنے اصرار سے اور اپنے جہل و استکبار پر یعنی نادانی اور غرور پر اللہ تعالیٰ کے خذلان سے یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے ترک یعنی چھوٹ جانے سے اور جو کوئی ایمان لایا ایمان لایا اپنے فعل سے اور اپنے تابعدار اور مقید ہونے سے اور اپنی زبان پر اقرار کرنے اور اپنے دل سے تصدیق کرنے یعنی سچ ماننے سے موافق حکم اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے اس کے لیے اپنے فضل کے موافق جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "ان اللہ لذو فضل علی الناس" یعنی بے شک اللہ تعالیٰ صاحب فضل ہے لوگوں پر۔

عقیدہ نمبر 37

اللہ تعالیٰ اولاد حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن تک ظاہر کیا یعنی جس قدر کہ یومِ قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں طبقہ بعد طبقہ اول حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے۔ اس کے بعد ان کے فرزندوں کی پشتوں اور بیٹیوں کے سینوں سے کہ بعض ان کے سفید تھے اور بعض ان کے سیاہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں ان کو پھیلا کر اس کے بعد ذریّتِ آدم علیہ السلام سے خطاب کیا اس فرمان سے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" یعنی کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں۔ اس کو روزِ میثاق کہتے ہیں اور حکم کیا ان کو ایمان اور احسان کا اور ان کو کفر و عصیان سے منع کیا۔ پس سب نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رب ہونے پر اقرار کیا ایمان میثاقی کا اور اپنی ذاتوں کے لیے عبودیت یعنی بندہ ہونے پر قول "بَلٰی" یعنی ہاں ہے۔ یہ اقرار ایمان میثاقی ایمانِ حقیقی کی راہ سے تھا یا حکمی کی "فَهُمْ يُوْلَدُوْنَ عَلٰى تِلْكَ الْفِطْرَةِ" یعنی پس وہ پیدا کیے جاتے ہیں اسی پیدائش پر۔

عقیدہ نمبر 38

جس شخص نے بعد ایمان میثاقی کے کفر اختیار کیا تو اس نے ایمان فطری کو کفر سے بدل دیا اور تغیر کر دیا اور جو کوئی کہ ایمان لایا اور اس نے تصدیق کی ایمان کے ظاہر کرنے میں اس طریقہ سے کہ زبانی ایمان کو دل کی تصدیق کے مطابق کر لیا وہ اپنے دین پر جو اصل فطرۃ کا تھا ثابت رہا اور اس اپنے اقرار پر جو لفظ "بَلٰی" کے قول سے تھا جاری رہا۔

عقیدہ نمبر 39

اللہ تعالیٰ نے جبر نہیں کیا ہے کسی کے لیے اپنی مخلوق سے کفر پر اور نہ ایمان پر، اور نہ ان کو مومن پیدا کیا ہے اور نہ کافر بلکہ پیدا کیا ہے ان کو اشخاص۔

عقیدہ نمبر 40

ایمان وکفر بندہ کا فعل ہے یعنی باعتبار ان کے اختیار کے نہ اضطرار کی وجہ پر۔

عقیدہ نمبر 41

اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو کفر کرتا ہے کافر جانتا ہے کفر کی حالت میں اور جب کفر اختیار کرنے کے بعد ایمان لاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو مومن جانتا ہے اس کے ایمان کے حال میں بغیر متغیر ہونے اللہ تعالیٰ کے علم کے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے یعنی صفتِ غضب و رضا کے شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں اسی طرح ہے یعنی بندہ کے کفر و ایمان سے اللہ تعالیٰ کا علم متغیر نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کی صفت غضب و رضا۔

عقیدہ نمبر 42

بندوں کے تمام افعال خواہ کفر و ایمان کے ہوں خواہ طاعت اور عصیان یعنی بندگی اور نافرمانی کے حقیقت کی راہ سے یہ انہیں کا کسب ہے اور مجاز کے طریق پر نہیں ہے اور نہ زبردستی اور غلبہ کی راہ سے ہے بلکہ ان کے فعل میں ان کا اختیار ہے ان کے اختلاف کے اعتبار سے اور ان کی ذاتوں کے اس طرف میلان کرنے سے "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ"۔ یعنی جو کچھ نیکیاں انہوں نے کیں وہ انہیں کے لیے ہوں گی اور جو کچھ کوشش کر کے اُنہوں نے برائیاں کیں ان کا بوجھ انہیں پر رہے گا۔

عقیدہ نمبر 43

بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اپنے ارادہ کے موافق جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز کا خالق ہے اور تحت شے میں بندوں کے فعل بھی داخل ہیں تو ان کا خالق بھی وہی ہے۔ پس اسی نے پیدا کیے اور وہی پیدا کرتا ہے۔

عقیدہ نمبر 44

بندوں کے تمام فعل نیکی اور بدی کے انہیں کے کمائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور علم سے اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے۔

عقیدہ نمبر 45

فرماں برداری تمام قسم کی فرض اور واجب اور نفل و مستحب تھوڑی اور بہت ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول"۔ یعنی تابعداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور تابعداری کرو رسول ﷺ کی اور یہ تابعداری سبب ہے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی۔ ان اللہ یحب المتقین۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو اور یہی سبب ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بسبب فرمانے اللہ تعالیٰ کے مومنین کے حق میں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اُن سے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت اور قضا اور تقدیر سے ہے اور نافرمانی بھی ہر قسم کی یعنی کفر اور شرک اور کبیرہ اور صغیرہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قضا اور تقدیر اور مشیت سے ہے لیکن بسبب محبت اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے جیسا آیت قرآن مجید کی آگاہ کر رہی ہے۔ "ان اللہ لا یحب الکافرین"۔ یعنی بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں

رکھتا ہے اور گناہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سے نہیں ہیں۔ بسبب فرمانِ خداوندی سورہ زمر میں اول رکوع میں "ولا یرضی لعبادہ الکفر" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا ہے اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں جیسا کلامِ مجید میں واقع ہے۔ ان اللہ لا یامر بالفحشاء یعنی اللہ تعالیٰ بے حیائی کے لیے حکم نہیں دیتا ہے۔

عقیدہ نمبر 46

تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں اور برائیوں سے پاک ہیں جیسے قتل اور زنا اور لواطت اور چوری اور پارسا عورتوں پر بہتان باندھنے اور جادو اور جہاد سے بھاگنے اور بندوں پر ظلم کرنے اور شہروں میں فساد پھیلانے سے ان میں کبیرہ گناہوں سے جان کر اور بھول کر دونوں طرح گناہ کرنے سے انبیاء پاک ہیں اور صغیرہ سے جان کر پاک ہیں نہ بھول کر نبوت سے بزرگی حاصل کرنے کے بعد یعنی نبی ہونے کے بعد نہ اس سے پہلے اور معصوم ہیں انبیاء کفر سے نبی ہونے سے پہلے بھی اور یہ سب مسائل بالاجماع ثابت ہیں اور یہی خلاصہ ہے شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں۔

عقیدہ نمبر 47

بعض انبیاء علیہم السلام سے زلّات یعنی لغزشیں ہوئیں۔

فائدہ:

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے سرکارِ دو عالم ﷺ تک تمام انبیاء ہر گناہ سے طیب و طاہر ہیں اگر لغزش ہوئی تو وہ حکمتِ خداوندی ہے۔ (از مترجم)

عقیدہ نمبر 48

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب، ابن ہاشم، ابن مناف، ابن قصی، ابن کلاب، ابن مرہ، ابن کعب ان لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان جن کا نسب شریف یہ ہے خاتم انبیاء ہیں یعنی ختم کرنے والے نبیوں کے کہ نبوت آپ پر ختم ہے کوئی نبی بعد آپ کے نہیں ہو سکتا۔ اور آپ حبیب اللہ تعالیٰ ہیں اور حضرت جل و علیٰ کے بندۂ خاص ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بت کو آپ نے کبھی نہیں پوجا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا کبھی نہ پہلے نبوت کے نہ بعد نبوت کے اور نہ صغیرہ و کبیرہ کبھی گناہ کیا نبوت سے پہلے اور بعد اس قدر نسب شریف مذکورہ بالا میں کہ معہ رسول اللہ ﷺ کے بائیس پشتیں ہوتی ہیں اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے منسوب فرمایا اپنے نفس مبارک کو نزار بن معد بن عدنان تک کہ شرح فقہ اکبر ملا علی میں یہی ہے۔

عقیدہ نمبر 49

لوگوں میں سب سے بزرگ بعد وجود مبارک حضرت رسولِ خدا ﷺ کے حضرت ابوبکر صدیق بن قحافہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب ہیں۔

عقیدہ نمبر 50

خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد باقی اصحاب رسول ﷺ ہمیشہ حق کی پیروی پر

ہیں۔جیسا زمانہ نبوی ﷺ میں تھے بغیر تغیر ہونے ان کی حال کے اور بغیر نقصان ان کے کمال میں پس مشاجرات وغیرہ معرکوں کے واقع ہونے کے سبب کچھ تغیر ان کے حال میں اور کچھ نقصان ان کے کمال میں نہیں واقع ہوا۔

عقیدہ نمبر 51

ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوست رکھتے ہیں اور آل بھی شامل اصحاب میں ہیں۔ اور ہم ان میں سے کسی کو برا نہیں کہتے ہیں بخلاف رافضیوں اور خارجیوں کے کہ اول اصحاب کی جناب میں اور دوم آل کے حضور میں گستاخ و بے ادب ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہماری محبت۔اس فرمان اللہ تعالیٰ کے سبب ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (سورہ توبہ)

اگلوں میں آگے رہنے والے مہاجرین جو مکہ سے ہجرت کرنے والے ہیں مدینہ کو اور انصار یعنی مدد کرنے والے جنہوں نے اہل مکہ کی جو مہاجر ہو کر آئے تھے مدد کی۔اور جنہوں نے ان آگے رہنے والوں کی متابعت اور پیروی کی ایمان اور طاعت میں کہ مراد تمام صحابہ ہیں راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے ان کی طاعت کو قبول فرما کر اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے اس چیز پر جو دینی اور دنیوی نعمتیں انہوں نے پائیں۔

یہ خلاصہ تفسیر حسینی کا ہے۔اور ان کی محبت بسبب فرمانے اس ارشاد حضور علیہ السلام کے ہے۔لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ یعنی میرے اصحاب کو برا نہ کہو۔

عقیدہ نمبر 52

ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو خیر سے یاد کرتے ہیں ان سے حسن ظن کے سبب اگرچہ بعض سے ان کے وہ چیز جو شر کی صورت میں ہے صادر ہوگئی بسبب فرمانِ نبوی علیہ السلام کے "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ یعنی ہر قرن و زمانہ کے گذرا اور گذرتا ہے اس میں سب سے اچھا میرا زمانہ ہے اور بسبب فرمانِ نبوی علیہ السلام کے "اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَاسْكُتُوْا یعنی جب میرے اصحاب ذکر کیے جائیں تو چپ رہو۔اس حدیث شریف سے اشارت ہے کہ صحابہ کے معاملات میں مانند مشاجرات وغیرہ معرکوں کے جو ان میں وقوع میں آئے پرہیز کرو اور ملامت اور خود رائی سے افراط و تفریط یعنی زیادتی اور کمی کرنے سے بھی ان کی نسبت میں بچو۔

عقیدہ نمبر 53

کسی مسلمان کی گناہوں کے سبب ہم تکفیر نہیں کرتے اگرچہ گناہِ کبیرہ اس سے ہوا ہو جب تک اس گناہ کے حلال ہونے کا جس کا حرام ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو چکا ہے۔معتقد نہیں ہے جیسا خوارج گناہِ کبیرہ کرنے والے کی تکفیر کرتے ہیں اسی طرح شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

عقیدہ نمبر 54

مسلمان سے گناہِ کبیرہ ہو جانے کے سبب اس میں ایمان یعنی وصفِ ایمان زائل نہیں ہوتا ہے۔جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کرنے والا ایمان سے باہر ہو جاتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے پس وہ درمیان ایمان اور کفر کے ایک مرتبہ ثابت کرتے ہیں۔باوجود اس کے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صاحب کبیرہ ہمیشہ جہنم

میں رہتا ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر ملا علی قاری میں اسی طرح ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ کرنے والے کا نام مومن رکھتے ہیں حقیقت کی راہ سے نہ مجاز کی رو سے۔

عقیدہ نمبر 55

ہم نہیں کہتے ہیں کہ مومن کو بعد ایمان حاصل ہونے کے گناہ ضرر نہیں کرتا ہے۔ اور مومن گنگار جہنم میں داخل نہ ہوگا جیسا کہ فرقہ، مرجیہ، اور ملاحدہ اور اباحیۃ نے کہا ہے۔ اِسی طرح شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

عقیدہ نمبر 56

مسح موزوں پر سنت سے ثابت ہے۔ مقیم کے لیے ایک دن اور رات اور مسافر کے لیے تین رات دن۔

عقیدہ نمبر 57

تراویح ماہِ رمضان کی راتوں میں سنت ہے۔

عقیدہ نمبر 58

مومن نیک بخت اور گنہگار دونوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔

عقیدہ نمبر 59

مومن گنہگار ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اگرچہ فاسق ہوں مگر اس وقت کہ اچھے خاتمہ کے ساتھ فوت ہوا ہو۔

عقیدہ نمبر 60

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ہماری نیکیاں یقینی مقبول ہیں اور برائیاں

بخش دی گئی ہیں مانند قولِ مُرجیہ کے۔ لیکن ہم کہتے ہیں جو کوئی نیک عمل کرے گا۔ اس نیکی کی صحیح شرطوں کے ساتھ اس طرح سے کہ وہ نیک عمل ان عیبوں سے جو ظاہر عمل میں فساد پیدا کرتے ہیں اور ان باتوں سے جو باطن میں عمل کو باطل کرنے والی ہیں خالی ہوئے جیسے کفر اور عجب یعنی خود پسندی اور ریا یعنی لوگوں کے دکھلانے کو وہ عمل ہو یہاں تک کہ وہ عامل دنیا سے خارج ہو۔ یہ عمل نیک اس کا ضائع نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

بے شک اللہ تعالیٰ حاضر دل عابدوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندوں سے ایسے عمل کو قبول فرمائے گا اور اس پر بندوں کو اپنے وعدہ کے مطابق ثواب دے گا۔

عقیدہ نمبر 61

جس شخص نے سوائے شرک اور کفر کے اور برے کام کیے اور توبہ نہ کی یہاں تک کہ مومن فوت ہوا توبہ کیے ہوئے پس وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے اردہ سے متعلق ہے اگر چاہے عذاب دے اپنے دل سے اس کی سزا کے استحقاق کے انداز پر۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ اور اگر چاہے اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے۔

عقیدہ نمبر 62

جب کسی عمل میں اعمال سے ریا واقع ہو جائے گی تو اس عمل کا اجر باطل ہو جائے گا بلکہ وہ عمل ثابت نہ رہے گا۔ اور اسی طرح عجب (یعنی خود پسندی) عمل ضائع کر دیتا ہے۔ ریا اور عجب پر اقتصار کرنے سے تمام گناہوں کی نسبت آگہی اور اشعار ہے۔

اس بات کا کہ دوسرے گناہ نیکیوں کو باطل نہیں کرتے جیسا شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

عقیدہ نمبر 63

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور کراماتِ اولیاء رحمہم اللہ ثابت ہو چکی ہیں کتاب اور سنت سے۔

عقیدہ نمبر 64

خرقِ عادت۔ خرق کے معنیٰ لغت میں پھٹنے کے ہیں۔ اور یہاں مراد خلافِ عادت کے معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ظاہر ہوتی ہیں مانند ابلیس کے زمین کے طے کرنے میں اور فرعون کے دریائے نیل جاری کرنے میں اور دجال کے مار ڈالنے اور زندہ کرنے میں اور اسی طرح اخبار میں یعنی حدیثوں میں مروی ہے کہ ان سے بعض خوارق ہوئے ہیں پس ہم ان خوارق کو معجزات کے نام سے نہیں پکارتے ہیں کیونکہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہو گئے ہیں۔ نہ ان کا نام ہم کرامات رکھتے ہیں کیونکہ کرامات اصفیاء یعنی برگزیدہ اور پرہیزگار لوگوں کے ساتھ خاص ہو گئے ہیں لیکن ہم ان خوارق کو استدراج کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ دشمنانِ خدا کے لیے ان کی حاجتیں پوری کر کے اللہ تعالیٰ کا اُن کو ڈھیل میں ڈال رکھنا ہے گویا:

مکر بهم فی الدنیا و عقوبة فی الاخرة۔

ترجمہ: ''دنیا میں ان کے ساتھ فریب ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب ہے۔''

کما قال اللہ تعالیٰ:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے عنقریب ہم ان کو آہستہ آہستہ یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے پکڑے لیتے ہیں اور ہلاکت سے نزدیک کیے دیتے ہیں۔ ایسے ڈھنگ سے کہ وہ نہ جان سکیں گے یعنی وہ جب کوئی گناہ کرتے ہیں ہم اس وقت خاص ان کے لیے نعمت بڑھا دیتے ہیں۔ تو وہ طغیان اور نافرمانی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ یہ خلاصہ ہے تفسیر حسینی کا۔ پھر وہی غفلت میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ان حاجت روائیوں پر جو بطورِ استدراج ہیں فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو انعام اور احسان سمجھتے ہیں۔ اگر بدکار ہوتے ہیں نافرمانی اور گناہ زیادہ کرتے ہیں۔ اگر کافر ہوتے ہیں کفر میں بڑھ جاتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 65

اللہ تعالیٰ خالق ہے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے اور رازق ہے رزق دینے سے پہلے۔ شاید امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فقط اس بات کی آگہی کے لیے اس مطلب کو مکرر فرمایا کہ اس پر ایمان واجب ہے جیسا شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

عقیدہ نمبر 66

مومن اللہ تعالیٰ کو جنت میں سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے بغیر تشبیہ اور بغیر کیف اور کمیت کے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ شبہ اور صورت ہونے اور کیفیت یعنی کیسا اور کس طرح اور کیونکر ہونے سے اور مقدار اور اندازہ ہونے سے پاک ہے۔

عقیدہ نمبر 67

اللہ تعالیٰ اور خلق کے درمیان مسافت یعنی فاصلہ نہ ہوگا۔ نہ نہایت نزدیک ہونے کی صورت میں اور نہ نہایت دور ہونے کی حالت میں اور نہ اتصال یعنی نزدیک ہونے کی وصف کے ساتھ اور نہ انفصال یعنی جدا ہونے کی صفت کے ساتھ اور نہ حلول

کی صورت میں یعنی کسی چیز میں داخل ہو جانا جس کو گھل جانا کہتے ہیں اور نہ اتحاد یعنی ایک ہو جانے کے طریق پر جس میں دوئی کا اطلاق نہ ہو۔

عقیدہ نمبر 68

ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے کا اور دل سے تصدیق یعنی سچ ماننے کا۔

عقیدہ نمبر 69

ایمان ایمان والوں کا کم و زیادہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ فرشتوں میں سے ہوں یا جنت والوں میں سے یا زمین والوں میں سے از قسمِ انبیاء ہوں خواہ اولیاء یا تمام مورخین۔

عقیدہ نمبر 70

تمام ایمان والے اصل ایمان توحید میں برابر ہیں اور اعمال میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 71

اسلام اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے تسلیم کرنے یعنی باطن یا دل سے قبول کرنے اور انقیاد یعنی ظاہر میں حکم بجا لانے کو کہتے ہیں۔ پس لغت کے طریق سے ایمان اور اسلام میں فرق ہے لیکن شریعت میں ایمان بغیر اسلام نہیں پایا جاتا ہے۔ پس ایمان اور اسلام مانند ایک شے کے ہے کہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوتا ہے جیسے پیٹھ پیٹ سے۔

عقیدہ نمبر 72

دین اطلاق کیا جاتا ہے یعنی بولا جاتا ہے یا بے قید ہوتا ہے ایمان اور اسلام اور تمام شرائع پر سب کے لیے۔

عقیدہ نمبر 73

ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں جیسا پہچاننے کا حق ہے اپنے مقدور اور اپنی طاقت کے موافق جیسا کہ وصف کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کا تمام صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کے ساتھ اپنی کتاب میں۔ ثبوتیہ وہ صفتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں اور ثابت ہیں اور سلبیہ وہ صفتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود نہیں ہیں بلکہ اس سے مسلوب ہیں۔ اور قرآن مجید میں آیا ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○

ترجمہ: "نہیں ہے مثل اس سبحانہ کے کوئی چیز اور حال یہ ہے کہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

عقیدہ نمبر 74

نہیں ہے کوئی قادر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے جیسا کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا مستحق ہے لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کے حکم سے جیسا اس نے حکم فرمایا ہے۔

عقیدہ نمبر 75

تمام مومنین برابر ہیں۔ معرفت میں جو فی نفسہا ہے یعنی نفس اسی معرفت میں اور برابر ہیں۔ یقین میں جو امر دین میں ہو اور خدا پر توکل کرنے میں اور خدا اور رسول کے لیے محبت میں اور تقدیر اور قضا پر راضی ہونے میں اور غضب اور عقوبت سے خوف کرنے میں اور خوشنودی اور ثواب پانے کے لیے امیدواری میں اور ایمان یعنی یقین کرنے میں ذاتِ باری تعالیٰ کے ثابت ہونے اور صفات خداوندی کے متحقق ہونے

پر اور مومن متفاوت ہوتے ہیں ماسوائے ایمان میں اور ان چیزوں میں جو تمام ذکر کی گئی ہیں یعنی غیر تصدیق و اقرار میں نیکوں کے قیام ارکان میں تفاوت کے موافق اور بدکاروں کے مراتب گناہ میں اِختلاف کے موافق۔ یہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ ماسوائے ایمان سے مراد تصفیہ اور تزکیہ اور تخلیہ باطن کا ہو یعنی دل کا صاف اور پاک کرنا اور خالی کرنا غیر اللہ تعالیٰ سے ہو وے قیام پانے کے لیے یقینات پر۔

عقیدہ نمبر 76

اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے بعض بندوں پر اپنے فضل سے اور عذاب کرنے والا ہے بعض بندوں پر اپنے عدل سے بغیر زیادتی کے استحقاق پر۔ اور کبھی عطا کرتا ہے دوگنا ثواب اور اجر اس چیز کا جس کے وہ مستحق ہیں اپنے فضل سے اور کبھی چھپاتا ہے گناہ کو اپنے فضل سے بواسطۂ شفاعت یا بلا واسطہ۔

عقیدہ نمبر 77

شفاعت تمام انبیاء علیہم السلام کی اور شفاعت ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی گنہگار مومنین کے لیے اور مومنین سے گناہِ کبیرہ کرنے والوں کے لیے کہ لائق سزا ہیں حق ہے۔

عقیدہ نمبر 78

شفاعتِ ملائکہ اور علماء اور اولیاء اور فقراء اور اطفالِ مومنین صابرین کی یعنی اُن مومنین کے بچوں کی جن کے والدین نے ان کی وفات پر صبر کیا اپنے والدین کے لیے "عَلَى الْبَلْوٰی" ثابت ہے یعنی اس شفاعت کے ثابت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

عقیدہ نمبر 79

اعمال کا وزن ہونا یعنی تُلنا ترازو میں جس کے دو پلڑے ہوں گے قیامت کے دن حق ہے۔

عقیدہ نمبر 80

قصاص یعنی بدلہ درمیان بنی نوعِ انسان کے قیامت کے دن حق ہے یعنی نیکیاں ظالم کی مظلوم کو دیں گے مقابلہ ظلم میں "اِذَا لَیْسَ هُنَاكَ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِیْرُ" اس لیے کہ وہاں درہم اور دینار نہ ہوں گے کہ ان سے ان کا بدل ہو سکے۔

عقیدہ نمبر 81

اگر ظالم کی نیکیاں نہ ہوں گی تو بدلہ ظلم میں مظلوم کی بدیاں ظالموں کی گردن پر رکھنا حق ہے۔

عقیدہ نمبر 82

حوضِ کوثر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا حق ہے اور پل صراط حق ہے۔

عقیدہ نمبر 83

جنت اور دوزخ جو آج موجود ہیں قیامت سے پہلے حق ہیں اور فنا نہ ہوں گی یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے داخل ہونے کے بعد بخلاف جبریہ کے۔

عقیدہ نمبر 84

عذاب اور ثواب اللہ تعالیٰ کا فنا نہ ہوگا۔ ہمیشہ بخلاف جبریہ کے۔

عقیدہ نمبر 85

اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے یعنی سیدھا رستہ بتلاتا ہے ایمان اور اطاعت کی طرف اپنے فضل سے جس کسی کو کہ وہ چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے کفر و گناہ کی طرف اپنے عدل سے جو مقتضائے حکمت ہے جس کسی کو کہ وہ چاہتا ہے۔

عقیدہ نمبر 86

گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کا عبارت ہے خذلان سے اور تفصیل خذلان کی یہ ہے کہ بندہ توفیق نہیں پاتا ہے اس چیز کی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اور یہ خذلان حکمت کی بنا پر خدا کے عدل سے ہے اور اسی طرح مخذول کا عذاب کیا جانا گناہ پر عدل سے ہے جس کا وہ مستحق تھا۔

عقیدہ نمبر 87

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ شیطان ایمان کو بندۂ مومن سے سلب کر دیتا ہے قہر اور جبر کر کے۔ لیکن کہتے ہیں کہ بندہ ایمان کو اپنے اختیار سے چھوڑ دیتا ہے شیطان کے بہکانے سے یا ہوائے نفس سے پس جب بندہ ایمان کو ترک کر دیا ہے تو شیطان ایمان کو اس بندہ سے سلب کر لیتا ہے۔

عقیدہ نمبر 88

سوال منکر ونکیر "مَنْ رَبُّكَ، وَمَا دِيْنُكَ، وَ مَنْ نَبِيُّكَ" حق ہے یعنی کون ہے تیرا رب۔ اور کیا ہے تیرا دین اور کون ہے تیرا نبی۔ قبر میں یا مستقر میں یعنی ٹھہرنے کی جگہ جہاں کہیں کہ ہو کہ جیسا کہ دریا میں ڈوبا ہوا اور آگ میں جلا ہوا۔ اور بھیڑیئے کا کھایا ہوا وغیرہ۔

عقیدہ نمبر 89

روح کا قبر میں بندہ کے جسد کی طرف عود کرنا حق ہے۔

عقیدہ نمبر 90

ضغطۂ قبر یعنی دبانا قبر کا سب مومنین کے لیے حق ہے۔ مومنین کے لیے ضغطۂ قبر شفیق ماں کے گلے لگا لینے کی مانند ہے اور بعض گنہگار مومنین کے لیے ہے اور اسی طرح بعض مومنین کو نعمت دینا حق ہے۔

عقیدہ نمبر 91

قبر کا عذاب سب کافروں کے لیے حق ہے اور بعض گنہگار مومنین کے لیے اور اسی طرح بعض مومنین کو نعمت دینا حق ہے۔

عقیدہ نمبر 92

تمام نام باری تعالیٰ کی صفات کے عزت اسمائه و تعالت مفاته یعنی غالب اور بزرگ ہیں نام اس کے اور برتر ہیں اس کی۔ علماء نے جن کی تعبیر فارسی میں بیان کی ہے وہ تعبیر اسماء کی جائز ہے مگر یدٗ کہ تعبیر یدٗ کی فارسی میں دست کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر 93

جائز ہے کہ کہے بروئے خدا بلا تشبیہ و بلا کیف یعنی خدا کی رُو کے سامنے جو بغیر تشبیہ اور بغیر کیف کے ہے۔

عقیدہ نمبر 94

اللہ تعالیٰ کی نزدیکی فرمان برداروں سے اور دُوری گنہگاروں سے نہیں ہے۔ لمبائی اور کوتاہی اور مسافت کی راہ سے نہیں ہے اور نہ معنی کرامت یعنی بزرگ اور نہ ہوان یعنی خواری اور بے عزتی کی بنا پر۔ ولیکن مطیع قریب ہے اللہ تعالیٰ سے بلا کیف اور عاصی بعید ہے اللہ تعالیٰ سے بلا کیف یعنی وصف تنزیہ کے ساتھ وہ وصف جس میں اس کی پاکی ہوتی ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد کو جو بندہ سے ہے اور بندہ کے قرب اور بعد کو جو اللہ تعالیٰ سے ہے بغیر تاویل بابِ متشابہات سے اس کو قرار دیا ہے یہ ہے خلاصہ شرح فقہ اکبر ملاّ علی قاری کا ہے۔

عقیدہ نمبر 95

نزدیکی اور دوری اور سامنے آنا اور متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کا مناجات کرنے والے سے اور اسی طرح مجاورت یعنی پڑوس ہونا بندہ کا خدا سے جنت میں اور بندہ کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا یہ سب بلا کیف ہے۔

عقیدہ نمبر 96

قرآن مجید رسولِ خدا ﷺ پر جو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے اور کتابوں میں دفتیوں کے درمیان لکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے علیٰ ماھو المشہور یعنی اسی بنا پر کہ وہ مشہور ہے۔

عقیدہ نمبر 97

قرآن مجید کی آیتیں جو سب کی سب معنے کلام میں ہیں یعنی مقام مقصود میں ہیں یعنی اس مرتبہ میں ہیں جو ہماری مراد ہے خواہ ان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہو

خواہ اولیاء اللہ کی مدح ہو یا اللہ تعالیٰ کے غضب یا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی برائی کا ذکر ہو فضیلتِ لفظی اور عظمتِ معنوی میں یکساں ہیں ولیکن بعض آیتوں کو ذکر و مذکور دونوں طرح کی فضیلت ہے جیسے آیۃ الکرسی۔ اس لیے کہ آیۃ الکرسی میں اللہ جل جلالہ کی جلالت و عظمت اور اس کی اس صفت کا مذکور ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ پاس آیۃ الکرسی میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں۔ ایک فضیلت ذکر کی دوسری فضیلت مذکور کی اور بعض آیتوں کو فقط فضیلتِ ذکر حاصل ہے نہ فضیلت مذکور جیسا کہ سورۃ "تَبَّتْ یَدَا" اور اسی جیسی اور آیتیں بدکاروں کے احوال کی نسبت۔

عقیدہ نمبر 98

اللہ تعالیٰ کے نام جیسے اللہ اور واحد اور اللہ تعالیٰ کی صفتیں جیسے "لَهُ الْمُلْكُ" اور "لَهُ الْحَمْدُ" یعنی اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے یہ مطلق فضیلت اور عظمت میں برابر ہیں۔ یعنی ان وجوہ سے قطع نظر کر کے جس وجہ سے بعض کی بعض پر فضیلت ہے اور ذات و صفاتِ اللہ تعالیٰ پر ان کے بولے جانے میں تفاوت نہیں ہے اور یہ مساوات منافی نہیں ہے بعض اسماء و صفات پر جزئی عظمت کے طریق پر ہے یعنی مع لحاظ وجہ فضیلت و عظمت بعض کے بعض پر۔

عقیدہ نمبر 99

والدین رسولِ خدا ﷺ فوت ہوئے کفر پر۔ (البتہ موحد تھے کبھی بھی بت پرستی نہ کی تھی۔ مرتب) اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے ولیکن حضور ﷺ کے والدین مکرمین کے ایمان صحیح ہونے کی جانب دلیلوں سے ترجیح پائی ہوئی ہے اور اسی طرف علماء کے فریق کی زیادتی ہے۔ رسول علیہ السلام نے انتقال اس عالم سے ایمان پر فرمایا ہے۔ حضرت رسولِ خدا ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب بھی کفر پر فوت ہوئے۔

(حضرت ابوطالب کے ایمان پر بھی علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن خدمتِ نبوی ﷺ میں آپ نے کوئی کمی نہ کی تھی۔ مرتب) حضرت قاسم اور حضرت طاہر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام رسولِ خدا ﷺ کے فرزند تھے۔

عقیدہ نمبر 100

حضرت فاطمہ اور حضرت زینب اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم سلامُ اللہ علیہِنّ رسولِ خدا ﷺ کی بنات یعنی صاحبزادیاں تھیں۔

عقیدہ نمبر 101

جس وقت انسان اہلِ ایمان پر عمل توحید کی باریک باتوں میں سے کوئی شے مشکل ہو جائے۔ تو اس انسان پر واجب ہے کہ ایسی چیز کا اجمالی طور پر اعتقاد کرے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے وہی میرا مقبول و مختار ہے اور تفصیل نہ کرے یہاں تک کہ کسی ایسے عالم کو پائے جو حقیقتِ احوال کو پہچانتا ہو اور عارف ہو پس پورے طور پر اس سے تفصیلی ایمان پوچھ لیں اور تاخیر نہ کرے۔

عقیدہ نمبر 102

خبر معراج حضرت محمد مصطفی ﷺ جسد کے ساتھ حالتِ بیداری میں آسمان کی طرف حق ہے اور متعدد طریق سے ثابت ہے پس جو کوئی اس خبر کو رد کر دے گا اور اس کے موافق ایمان نہ لائے گا گمراہ اور مبتدع یعنی بدعتی ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرتا ہے۔

عقیدہ نمبر 103

خروج یعنی نکلنا دجال کا۔ اور یاجوج ماجوج کا اور طلوع ہونا آفتاب کا مغرب سے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اور تمام علامات روزِ قیامت کی حق ہیں اور ثابت ہیں۔ اس بنا پر کہ اخبارِ صحیحہ حدیث کی بلکہ صاف قرآنی آیات اس کی نسبت وارد ہیں۔

عقیدہ نمبر 104

اللہ تعالیٰ جس کسی کو چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

عبارت فقہ اکبر شرح ملا علی قاری کی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد مترجم کی دعا ہے اور دردمندی کی درود ہے۔

دعائے مترجم

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَ دِیْنًا قَوِیْمًا بِحُرْمَةِ صَاحِبِ الصِّرَاطِ اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اے اللہ ہم کو سیدھا رستہ اور مضبوط دین عطا فرما۔ صاحب صراط کی حرمت سے کہ مالک ہیں راستہ کے۔ اے جہانوں کے پالنے والے قبول فرما درودِ دردمند۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی مُحَمَّدٍ رَسُوْلِكَ وَ حَبِیْبِكَ وَ عَلٰی اَنْوَارِهٖ كَمَا تُحِبُّهٗ وَ تَرْضَاهُ وَ شَفِّعْهُ فِیْنَا وَ تَرَحَّمْنَا بِهٖ۔

اے اللہ رحمت اور برکت اور سلامتی ہمیشہ سے ہمیشہ تک بھیج حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے رسول اور تیرے حبیب ہیں اور ان کے انوار پر جیسا تجھے وہ محبوب ہے اور تو اس سے خوشنود ہے اور اس کی شفاعت نصیب فرمایا اور ہم پر رحم فرما آپ کے وسیلہ سے۔

نجاتِ ابوطالب

ماخوذ: تفسیر مظہری مترجم جلد چہارم صفحہ ۳۵۶ تا ۳۵۹ ناشر ضیاء القرآن

بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت سعید بن المسیب کے حوالہ سے ان کے باپ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب ابوطالب پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت پہلے ان کے پاس ابو جہل، عبداللہ بن ابی اور امیہ بن المغیرہ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے چچا جان! پڑھیے "لا الہ الا اللہ" تاکہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی بنا پر جھگڑا کر سکوں۔ ابو جہل، عبداللہ بن ابی اور امیہ نے کہا کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بار بار کلمہ طیبہ کی انہیں تلقین کرتے رہے اور وہ دونوں بدبخت انہیں یہی کہتے رہے کہ کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ابوطالب نے آخری کلام یہی کی کہ میں عبدالمطلب کے دین وملت پر ہوں۔

ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ ابوطالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عم محترم! میں اس وقت تک آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس بات سے منع نہیں کیا جاتا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ○

ترجمہ: "درست نہیں ہے نبی کے لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جبکہ واضح ہوگیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں۔"

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ الاسلام جلد ۱ صفحہ ۴۰ (قدیمی)

مشرک قریبی رشتہ دار بھی ہو تو اس کے لیے مغفرت طلب نہ کریں جبکہ ان کا کفر پر مرنا ثابت ہو چکا ہو۔

اس آیت کریمہ میں زندہ مشرکوں کے لیے استغفار کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ زندوں کے لیے ایمان کی توفیق طلب کرنا جائز ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا: لا الہ الا اللہ پڑھ لو، قیامت کے روز میں تمہاری گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا: اگر قریش مجھے یہ کہہ کر عار نہ دلاتے کہ انہیں ڈر اور خوف نے "لا الہ الا اللہ" پڑھنے پر مجبور کیا ہے تو میں کلمہ طیبہ پڑھ کر ضرور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

(صحیح مسلم، کتاب الایمان باب من حضرہ الموت مالم یشرع فی النزع۔ جلد ۱ صفحہ ۴۰ (قدیمی)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ ﷺ کے ہاں آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ ہو رہا تھا، فرمایا شاید شفاعت قیامت کے روز انہیں نفع پہنچائے، وہ آگ کی گہرائی میں ہیں آگ ان کے ٹخنوں پر پہنچ رہی ہے اور اس کی تپش کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب بنیان الکعبۃ باب قصۃ ابی طالب۔ جلد ۱ صفحہ ۵۴۸ (وزارت تعلیم)

یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لیے دعا کر رہا تھا میں نے کہا کیا تم اپنے مشرک والدین کے لیے دعا کر رہے ہو۔ اس شخص نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی تھی حالانکہ وہ بھی مشرک تھے (فرماتے ہیں) میں نے یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب من سورۃ التوبۃ، جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ (وزارتِ تعلیم)

شاید یہ واقعہ حضرت ابو طالب کی موت کے واقعہ سے متصل ہو۔ پس دونوں کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور جو روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، وہ تمام روایات درست نہیں ہیں اور قوت میں ہماری ذکر کردہ احادیث کا معارضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ پس ان روایات کا رد کرنا واجب ہے۔

ان میں سے ایک روایت حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے جو ایوب بن ھانی عن مسروق عن ابن مسعود کی سند سے مروی ہے، فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ پھر آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا تو ہم بیٹھ گئے اور خود حضور ﷺ کئی قبور کو کراس کرتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے اور طویل وقت تک اس قبر سے آہستہ آہستہ محوِ گفتگو رہے، پھر آپ ﷺ باآواز بلند رونے لگے تو ہم بھی آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ پھر آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کرتے ہوئے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سی چیز ہے۔ جس نے آپ کو رلایا ہم بھی اس کی وجہ سے روئے اور ہم تو خوفزدہ ہو گئے تھے کہ آپ یہ ساری گفتگو سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا: میرے رونے نے تمہیں رلایا اور میرے رونے نے تمہیں خوفزدہ کیا۔ ہم نے عرض کی: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ قبر جس سے مجھے تم نے گفتگو کرتے دیکھا میری والدہ آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا کی قبر تھی۔ میں نے اپنے پروردگار سے اس کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کی مغفرت کی درخواست کی تو مجھے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہ ملی اور یہ آیت کریمہ **و ما کان للنبی الایۃ** نازل ہوئی۔

(مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، باب سورۃ التوبۃ، جلد ۲ صفحہ ۶۷-۳۶۶، حدیث: ۳۲۹۲ (العلمیہ)

تو اس وجہ سے مجھ پر وہ کیفیت اور رقت طاری ہو گئی جو بچے پر والدہ کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، اسی چیز نے مجھے رلایا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے لیکن ذہبی نے مستدرک کی شرح میں اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی سند میں ایوب بن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری روایت وہ ہے جو طبرانی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور عسفان کی گھاٹی میں اترے اور اپنی والدہ کی قبر کے پاس تشریف لے گئے۔ (الدر المنثور، جلد ۳ صفحہ ۷۰-۵۰۶ (العلمیۃ)

آگے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح حدیث بیان فرمائی ہے اور اس میں آیت کے نزول کا ذکر ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور قابل سند نہیں ہے۔

امام بغوی ؒ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ اور حضرت بریدہ ؓ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ حضرت آمنہ ؓ کی قبر پر تشریف لائے۔آپ ﷺ اس کے اوپر کھڑے رہے حتیٰ کہ سورج گرم ہوگیا اور اس امید سے کھڑے رہے کہ اجازت ملے تو میں اپنی والدہ کے لیے استغفار کروں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما کان للنبی الآیۃ۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۱۵ (دالفکر))

ابن سعد اور ابن شاہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ ؓ کی حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو آپ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے آگے مذکورہ الفاظ ہیں۔ابن جریر ؒ نے حضرت بریدہ ؓ سے بغوی کی طرح نقل کیا ہے۔

ابن سعد ؒ نے طبقات میں اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ یہ غلط ہے اور آپ کی والدہ کی قبر مکہ میں نہیں بلکہ ابواء میں ہے۔

احمد اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ نے عسفان کی گھاٹی میں قیام فرمایا تھا۔آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر دیکھی پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی اور رونے لگے اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کی شفاعت کرنے کی اپنے پروردگار سے اجازت طلب کی تو مجھے منع کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "ما کان للنبی الایہ" نازل فرمائی۔

امام سیوطی ؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام طرق قابل اعتراض اور ناقابل سند ہیں۔حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جس نے حضرت ابن مسعود کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے وہ اسے صحیح لذاتہ نہیں کہتا بلکہ ان طرق سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے صحیح لغیرہ کہتا ہے۔میں نے اس حدیث کے طرق میں غور وفکر

کیا تو تمام طرق کو معلول اور قابل اعتراض پایا۔اس حدیث میں دوسری علت یہ بھی ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے یہ آیت حضرت ابوطالب ؓ کی موت کے بعد نازل ہوئی۔اسی طرح علامہ بغوی ؒ نے قتادہ ؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے باپ کے لیے استغفار کروں جیسا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ما کان للنبی الایہ کا ارشاد نازل فرمایا۔یہ حدیث مرسل ہے، صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اور صحیحین کی روایت کے مخالف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔پس اس آیت کریمہ کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مشرک ہونے کا قول کرنا جائز نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی ؒ نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات پر اور آپ کے آباء و امہات آدم ؑ تک تمام کے ایماندار ہونے پر کئی رسائل لکھتے ہیں۔میں نے ان رسائل میں سے ایک رسالہ تلخیص کیا ہے جس کا نام میں نے تقدیس آباء النبی ﷺ رکھا ہے، جسے تفصیل مطلوب ہو اس کا مطالعہ کرے، یہ مقام کلام کی طوالت کی گنجائش نہیں رکھتا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابوطالب ؓ کی موت کے واقعہ میں ہے کہ ابوجہل نے ابوطالب سے کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے اور ابوطالب نے آخر میں کہا میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب مشرک تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم حضرت عبدالمطلب کے بارے میں یہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ مومن اور موحد تھے۔ابن سعد ؒ نے طبقات میں کئی اسانید کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عبدالمطلب نے ام ایمن کو کہا جب کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت کرتی

تھیں۔ اے برکہ! میرے بیٹے سے کبھی غفلت نہ کرنا۔ میں نے اپنے بچوں کے ساتھ بیری کے درخت کے قریب پایا اور اہلِ کتاب کہہ رہے تھے کہ یہ میرا بیٹا اس امت کا نبی ہے لیکن عبدالمطلب کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ ہے اور آپ شرائع سے ناواقف تھے اور اس چیز سے بھی ناواقف تھے جو نبی کریم ﷺ بطور شریعت لائے تھے اور فترت کے زمانہ میں توحید ہی کافی تھی۔ ابوجہل اور ابوطالب نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد ﷺ کوئی چیز لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں وہ عبدالمطلب کی ملت کے خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝

"اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لیے (۱) مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا (۲) اور جب ظاہر ہوگئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے (۳) تو آپ بیزار ہو گئے اس سے بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے۔"

(۱) یہاں ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ ہم نے سورۂ انعام میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا۔ زمانہ در زمانہ میں بہتر زمانہ میں رہا حتیٰ کہ میں اس زمانہ میں مبعوث ہوا جس میں میں تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، جلد ا صفحہ ۵۰۳)

اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کے آباء واجداد کے سلسلہ میں کوئی کافر ہو۔

(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں وعد کی ضمیر مرفوع ابیہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر منصوب ابراہیم کی طرف راجع ہے، یعنی ابراہیم کے باپ نے ابراہیم سے اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کہا تھا جب تم اسلام قبول کرو گے تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں مرفوع ضمیر کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہے اور منصوب ضمیر کا مرجع ابیہ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے استغفار کا وعدہ کیا تھا۔ ساستغفر ربی کا قول اس شخص کی قرأت پر دلالت کرتا ہے جنہوں نے وعدھا اباہ یعنی باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا در آں حالیکہ وہ مشرک تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

یہ صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ اس استغفار میں ابراہیم علیہ السلام کی ذات اسوہ اور نمونہ تھی کیونکہ انہوں نے تو صرف ان کے اسلام قبول کرنے کی امید سے وعدہ کی وجہ سے مشرک باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔

(۳) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہوگیا کہ ان کی موت کفر پر ہوئی ہے یا آپ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرے گا اور یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ

جب آخرت میں ان پر ظاہر ہوگا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس کے لیے دعائے مغفرت نہیں کریں گے۔

(تفسیر مظہری کی عبارت ختم ہوئی)

نجاتِ ابوطالب پر جسٹس **پیر محمد کرم شاہ** چشتی نظامی الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

ماخوذ از ضیاء النبی

جناب ابوطالب کی نجات پر جسٹس پیر محمد کرم شاہ چشتی نظامی الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی قارئین کی پیشِ خدمت ہے۔

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''ضیاء النبی''، میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوطالب کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر اولین سیرت نگار ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

جب قریش کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ حمزہ، عمر بن خطاب جیسے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور آپ کی دعوت آہستہ آہستہ قریش کے جملہ قبائل میں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ اٹھو سب ابوطالب کے پاس چلیں۔ اب ان کا آخری وقت ہے شائد ان کی کوشش سے ہمارے درمیان اور محمد (فداہ ابی و امی) کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ کچھ ہم ان کی باتیں مان لیں۔ کچھ وہ ہماری باتیں مان لیں اس طرح ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا آخر میں انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

فانا واللہ ما نامن ان یبتزونا امرنا۔

''ورنہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے۔''

یہ طے کرنے کے بعد مکہ کے رؤساء میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ،

ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر ابوطالب کے پاس گئے اور بایں الفاظ اپنی حاضری کا مدعا بیان کیا۔

اے ابوطالب! ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس سے آپ باخبر ہیں اب آپ کی یہ حالت ہے ہم آپ کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہیں ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو نزاع ہے وہ آپ کو بخوبی معلوم ہے ہماری خواہش ہے کہ آپ انہیں بلائیں اور ہماری اور ان کی صلح کرا دیں کچھ ہماری باتیں ان سے منوائیں اور کچھ ان کے مطالبات ہمیں ماننے کا حکم دیں تاکہ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ ہم جانیں اور ہمارے عقائد اور ہم ان کو ان کے حال پر رہنے دیں۔ وہ جانیں اور ان کے نظریات۔

حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلانے کیلئے آدمی بھیجا حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے فرزند! تیری قوم کے یہ سردار یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر تمہارا جھگڑا طے ہو جائے اور آئندہ تم صلح و آشتی سے زندگی بسر کرو۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جواب دیا۔ اے محترم چچا! انہیں فرمائیں میری صرف ایک بات مان لیں سارے عرب کے بھی یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم ان کا باج گزار بن جائے گا۔

ابوجہل جھٹ بولا: "نعم وابیك و عشر كلمات" تیرے باپ کی قسم! ایک بات نہیں آپ ایسی دس باتیں بھی کہیں تو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ حضور نے فرمایا کہو:

لا الٰہ الا اللہ و تخلعون ما تعبدون من دونہ۔

''یعنی عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس

کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو"۔
یہ سن کر ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور کہنے لگے:

یا محمدا ترید ان تجعل الآلهة الهاً وّاحدا؟ انّ امرك لعجب۔

"یا محمد تم چاہتے ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں، یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے"۔

آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا۔ چلو چلیں۔ تم اپنے عقیدہ پر پکے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوطالب نے اپنے بھتیجے پر کسی ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا: والله یاابن اخی، ما رایتك سالتهم شططا۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا:

والله یاابن اخی ما رایتك سالتهم شحطا۔

"یعنی میں نہیں دیکھتا کہ تم نے کسی غلط بات کا ان سے مطالبہ کیا ہے"۔

شطط اور شحط، قریب المعنی لفظ ہیں الشطط تباعد عن الحق حق سے دور ہو جانا۔

آپ کی یہ بات سن کر حضور ﷺ کے دل میں ان کے بارے میں امید پیدا ہوئی اور انہیں فرمایا:

ای عم! فانت فقلها، استحل لك بها الشفاعة یوم القیمة۔

"اے چچا! آپ یہ کلمہ کہیئے اس سے قیامت کے دن آپ کیلئے میری شفاعت روا ہو جائے گی"۔

انہوں نے جواب دیا:

یا ابن اخی لولا مکافة السبة علیك و علی بنی ابیك من بعدی وآن تظن قریشٌ انی انما قلتها جزعاً لموت لقلتها لا اقولها الالا سرك بها۔

"اے میرے بھتیجے! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا اور میں یہ کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کیلئے پڑھتا"۔

جب موت کا وقت قریب آ گیا تو حضرت عباس نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں انہوں نے کان لگا کر سنا اور عرض کیا:

یاابن اخی والله لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان یقولها۔

"اے میرے بھتیجے! بخدا! میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم اسمع۔ میں نے نہیں سنا۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم ص ۱۲۳۔۱۲۴)

آپ کی زندگی کے آخری لمحات میں آپ کے قبیلہ کے سرکردہ لوگ اکھٹے ہیں اس وقت آپ نے ان سب کو ایک وصیت کی۔ جس سے آپ کی اولوالعزمی، بالغ نظری، حکمت ودانائی کے ساتھ ساتھ آپ کی شان فصاحت وبلاغت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں جس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کا لفظی ترجمہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے گروہ قریش! تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چن لیا ہے۔تم سارے عرب کا دل ہو،یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں شرف وعزت کے تمام مدارج تم نے پالئے ہیں انہیں گوناگون خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی...... میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ شریف) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔اور اسی پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا قطع رحمی سے باز رہنا،کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔بغاوت سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔جو دعوت دے اس کو قبول کرنا۔سائل کو خالی نہ لوٹانا۔کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔سچ بولنا۔امانت میں خیانت نہ کرنا،ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کی دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت۔ (12)'

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہل عرب اسے الصدیق کہتے ہیں۔جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام کا جامع ہے بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں نے کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔اس کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔عرب

کے سارے باشندے ان کے ساتھ دل سے محبت کرنے لگے ہیں اپنے دلوں کو اس کی محبت وعقیدت کیلئے انہوں نے مخصوص کر دیا ہے اور اپنی زمام قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ، جنگوں میں اس کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔خدا کی قسم جو شخص اس کی راہ پر چلے گا ہدایت پا جائے گا۔اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفالت کرتا اور تمام آلام ومصائب سے اس کا دفاع کرتا۔

اس وصیت کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد دوم، ص ۵۶۵)

حضرت ابوطالب کا ایمان

حضرت ابوطالب نے عمر بھر اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی خدمات جس وفا شعاری سے انجام دیں اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے اعلان نبوت کے بعد سرکار دوعالم کو جن خارہ گداز مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ نے حضور کو کبھی تنہا نہیں چھوڑا۔ساری قوم کی مخالفت اور عداوت مول لی لیکن حضور کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔اپنا اثر ورسوخ اپنا مال ومتاع،اپنے اہل وعیال سب کو حضور کے دفاع کیلئے وقف کر دیا۔شعب ابی طالب کی طویل اور روح فرسا تنہائی میں،ساری مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ہر قدم پر حضور کا ساتھ دیا ہر نازک سے نازک مرحلہ پر دشمنوں کے ہر وار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اپنے خطبات میں حضور کی مدحت سرائی کرتے رہے۔طویل قصیدے لکھے۔جن میں آج بھی ہاشمی ومطلبی فصاحت کے انوار دمک رہے ہیں۔ان قصائد میں حضور کی تعریف وتوصیف کے ایسے سچے موتی پروئے جن کی چمک کے سامنے آسمان کے ستارے خجل ہیں۔محبت وعقیدت کے پھولوں سے ایسے

گلدستے تیار کئے جن کی مہک سے آج بھی مشام جاں معطر ہو رہی ہے۔ جن کی نظر افروز رنگت آج بھی آنکھوں کو ضیاء بخش رہی ہے۔ ان کے سارے کلام میں کہیں بت پرستی اور بت پرستوں کی ستائش نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کے سامنے ہمیشہ ایک چٹان بن کر کھڑے رہے۔ جب آپ بستر مرگ پر پیک اجل کا انتظار کر رہے تھے اہل مکہ کا وفد حاضر ہو کر گذارش کرتا ہے ہمارے درمیان اور اپنے بھتیجے کے درمیان مصالحت کرا دیجئے۔ مصالحت کیلئے حضور کی اس دعوت کے بارے میں یوں اظہار فرماتے ہیں:

واللہ ما رایتك سالتهم شططا۔

اور دم واپسیں سے پہلے اپنے قبیلہ کے افراد کو جو آپ نے آخری وصیت کی ہے اس کا مطالعہ ابھی آپ کر چکے ہیں صرف اس جملہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

یا معشر قریش! ابن ابیکم، کونوا له ولاةً ولحز
به حماة والله لا یسئلك احد منکم سبیله، الاّ
رشد ولا یاخذ احدٌ بهدیه اِلّا سعد۔

"اے گروہ قریش! یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں ان کے دوست بن جاؤ، جنگوں میں ان کے حامی بن جاؤ۔ بخدا! تم میں سے جو شخص ان کے راستہ پر چلے گا ہدایت پائے گا اور جو شخص ان کی ہدایت کو قبول کرے گا وہ سعادت مند ہو جائے گا"۔

اس کے بعد آپ کے بے شمار اشعار میں سے مندرجہ ذیل چند شعر پڑھے اور کہنے والے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی ہوگی۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِیًّا کَمُوْسٰی خُطَّ فِیْ اَوَّلِ الْکُتُبِ

"کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ہے

اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی"۔

فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَیْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا
لِعِزَّ اٰمِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا کَرْبِ

"اس گھر کے رب کی قسم، ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد کو تمہارے حوالے کر دیں زمانے کی شدتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر"۔

ایک اور قصیدہ میں شان محمدی کو یوں اپنی کوثر و سلسبیل سے دھلی ہوئی زبان میں بیان فرماتے ہیں:

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

"وہ روشن چہرے والے جن کے چہرے کے وسیلہ سے بادل طلب کیا جاتا ہے وہ یتیموں کی پناگاہ اور بیواؤں کی آبرو ہے"۔

وہ ہستی جس کا کردار اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ تھا اور جس کا منظوم کلام اس قسم کے دُرہائے شہوار سے بھرا ہوا ہے ایسی ہستی پر کفر و شرک کا الزام لگانا بڑا کٹھن کام ہے۔

علامۃ العصر امام محمد ابو زہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی نادر روزگار کتاب "خاتم النبیین" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ میں اس تصنیف لطیف کے ایک اقتباس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں شائد اس موضوع پر شک و شبہ کی جو گرد پڑی ہوئی ہے وہ چھٹ جائے اور حقیقت کا رخ زیبا بے حجاب ہو جائے، اس موضوع پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

"اس بحث سے ہم تین نتائج تک پہنچے ہیں اس میں سے دو مسلمہ ہیں اور تیسرا محل نظر ہے۔ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ابو طالب اسلام کے حامی تھے، نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے، اپنے

اشعار میں انہوں نے حضور کی دعوت کی جو مدح وثناء کی ہے
ذات رسالت کیلئے اور صحابہ کرام کیلئے جس محبت اور پیار اور شفقت کا
اظہار کیا ہے اور مخالفین کی کذب بیانیوں کی جس شدومد سے تردید
کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے
میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور صادق ہیں، راشد ہیں یعنی حضور سچے
ہیں اور راہ ہدایت پر ہیں۔

دوسرا مسلمہ نتیجہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور ﷺ
کے اس مطالبہ کی صفائی پیش کی جو آپ نے مشرکین مکہ سے کیا تھا اور دعوت محمدی
کے بعد یہ کہیں معلوم نہیں کہ آپ نے بتوں کی توصیف کی ہو۔ ساری زندگی حضور کی
معیت میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ اس کے ساتھ اس پاکیزہ محبت اور اس
شفقت ظاہرہ کو بھی ملحوظ رکھتے جو انہیں ذات پاک نبی کریم ﷺ سے تھی۔

تیسرا نتیجہ جو محل نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ پڑھا۔ بے شک ایک روایت ایسی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ
نے اپنی زبان سے یہ کلمہ پڑھا اور یہ وہی روایت ہے جس کے راوی حضرت عباس ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباس کے مقام
رفیع پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباس کو جھوٹ
سے متہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کی ذات کیطرف جھوٹ کی
نسبت کریں خواہ اسلام سے پہلے ہی ہو۔ کیونکہ آپ خاندان قریش کے سرتاج اور
سردار تھے۔ اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔

کیا آپ نے امام بخاری کی وہ روایت نہیں پڑھی جس میں ہرقل نے
ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں چند استفسارات
کرے ابوسفیان کہتا ہے میں نے بہت چاہا کہ آج موقع ہے میں سچ کے بجائے

جھوٹ بولوں تا کہ ہرقل کی عقیدت حضور سے ختم ہو جائے لیکن اس خوف سے میں نے
سچے جواب دیئے کہ کہیں اہل عرب مجھے جھوٹا نہ کہنے لگیں۔ اگر ابوسفیان جیسا آدمی جھوٹ
بولنے کی جسارت نہیں کرسکتا تو حضرت عباس جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سرتاج اور نبی
کریم ﷺ کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے غلط
بیانی سے کام لیا۔

امام ابوزہرہ یہاں علامہ ابن کثیر کی ایک رائے نقل کرتے ہیں اور پھر اس
کا جواب دیتے ہیں:

وهو فى هذا كله يعلم ان رسول الله ﷺ صادقٌ
راشدٌ ولكن مع هذا لم يؤمن قلبه وفرقٌ بين
علم القلب و تصديقه۔

"ابوطالب ان تمام امور میں یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ
صادق ہیں راشد ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کا دل ایمان نہیں
لایا تھا اور دل کے جاننے اور ماننے میں فرق ہے"۔

علامہ ابن کثیر کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:
گویا ابن کثیر ابوطالب کے علم کو یہودیوں کے علم کے ساتھ تشبیہ
دے رہے ہیں يعرفونه كما يعرفون ابناء هم کہ
یہودی حضور کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے
ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کے
اس خیال کی مخالفت کروں اور یہود کے علم جو جس طرح انہوں نے حضرت ابوطالب پر
منطبق کیا ہے اس کی تردید کروں۔

میں کہتا ہوں کہ ابوطالب کے علم میں اور یہود کے علم میں زمین آسمان

کافرق ہے۔ابوطالب کا علم ایسا ہے جس کے ساتھ تصدیق اور یقین پایا جاتا ہے اور
آپ کی ساری زندگی اور آپ کے سارے قصیدے اس بات کی تائید کرتے ہیں اس
لئے میں یہ کہتا ہوں:

انه لایمکن ان یّکون مشرکاً قطّ۔

''کہ حضرت ابوطالب کا مشرک ہونا ممکن نہیں ہے''۔

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قریش کے اقوال کو مسترد کیا اور دعوت
توحید کی تائید کی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے ساری عمر توحید اور اہل توحید کا دفاع کیا اور
اس راستہ میں جتنی اذیتیں مسلمانوں نے برداشت کیں اتنی اذیتیں ابوطالب نے بھی
برداشت کیں۔تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحت سے یہ کہا کہ محمد ﷺ صادق اور
راشد ہیں اور اس بحث کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے جو لکھا ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ آپ ہرگز مشرک نہ
تھے۔کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو بتوں کی عبادت کرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ
شریک بنائے اور آپ کی ساری زندگی اس بات کی شاہد عادل ہے کہ آپ بتوں اور ان
کی پرستش کو باطل اور لغو سمجھتے تھے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھوالعلیم بذات الصّدور
وما تخفی الانفس۔

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل
اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا
چاہئے۔آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہئے کہ ہم
منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور
کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی

کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

مسئلة اسلامه خلافیّةٌ... ثم انه علی القول
بعدم اسلامه لاینبغی سبه التّکلم فیه بفضل
الکلام فان ذٰلك ممایتاذّی به العلویّون۔بل
لایبعدان یکون ممایتاذّی به النبی ﷺ الذی
نطقت الآیة بناءً علی هٰذه الروایات بحبه ایّاه
والاحتیاط لایخفیٰ علی ذی فهمٍ لاجل عین الف
عین تکرم۔

''حضرت ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ
آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی
زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی
کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور
سرور عالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو، ہر عقل مند آدمی جانتا
ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہئے''۔

(روح المعانی ص ۲۰ سورۃ قصص آیت ۵۵)

مولانا شبلی نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا
مطالعہ کریں۔

(ضیاء النبی کی عبارت ختم ہوئی)

مولانا شبلی نعمانی کا موقف

مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف ''سیرت النبی'' جلد اول میں حضرت ابوطالب
سے متعلق بخاری شریف کی مشہور روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس ؓ نے کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اسی بناء پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں کوئی فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے لیے جو جانثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ ﷺ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش یہ جانثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ (سیرت النبی جلد اول صفحہ ۱۶۹)

❁ ❁ ❁

سماع

(علماء و مشائخ کی تحقیقات)

اَلسَّمَاعُ

تصنیف: حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم جگرانوی رحمۃ اللہ علیہ

فی مشکوٰۃ المصابیح فی باب اعلان النکاح والخطبۃ فی الفصل الاوّل۔ عن الربیع بنت معوذ بن غفراء رضی اللہ عنہا قالت جاء النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قد خل حین بُنیی علیّ فجلس علی فراشی کمجلسك مِنّی فجعلت جویریاتٌ لنا یضربن لابدّفِ و یند بن من قتل آبائی یوم بدر اذ قالت اِحدیٰهنّ و فینا فبیی یعلم ما فی غد فقال دعی هذا و قولی باالّذی کنت تقولین۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ''مشکوٰۃ المصابیح کے اعلان النکاح اور خطبہ کے باب کی پہلی فصل میں حضرت ربیع بنت معوذ بن غفراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ پس داخل ہوئے۔ جب میرے شوہر کی طرف سے مجھ پر خلوت کی گئی تھی۔ اور میرے بستر پر اتنا قریب مجھ سے بیٹھے۔ جیسا تو میرے پاس بیٹھا ہے۔ پس ہماری لڑکیوں نے دف بجانی شروع کی۔ اور میرے باپ دادا کی تعریف کرتی تھیں جو بدر کے دن مارے گئے تھے۔ ان لڑکیوں

میں سے ایک نے اچانک کہا۔ ہم میں ایک نبی ہے۔ جو کل کی
بات کو جانتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مضمون کو
چھوڑ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہ کہو۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔"

❁ و عن عائشة رضی الله عنها قالت زُفَّتْ امرائةٌ
اِلٰی رجل من الانصار فقال نبیّ الله صلی الله علیه
وسلم ما کان معکم لهو فان الانصار تعجبهم
اللّهو۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا اُنہوں نے کہ ایک
عورت کا ایک انصاری مرد سے نکاح کیا گیا۔ پس نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ لہو یعنی غنا نہیں۔ کیونکہ انصار کو لہو و
پسند آتا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔"

❁ عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم اعلنوا هٰذا النکاح واجعلوه فی
المساجد واضربوا علیه بالدّفُوْفِ رواه الترمذی
و قال هٰذا حدیث غریب۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا
نکاح کی شہرت و اعلان کرو اور اس کو مسجدوں میں کرو۔ اور اس
پر دفوں کو بجاؤ۔ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ
حدیث غریب ہے۔"

❁ عن محمد بن حاطب الجمحی عن النبیّ صلی الله
علیه وسلم قال فصل ما بین الحلالِ والحرام

الصوت والدف فی النکاح۔ رواه احمد والترمذی
والنسائی وابن ماجه۔

ترجمہ: "محمد بن حاطب جمحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے
فرمایا نکاح میں حلال وحرام کے درمیان فرق دف اور آواز ہے۔
اس کو احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔"

❁ عن عائشة رضی الله عنها قالت کانت عندی
جاریة من الانصار زوّجتها فقال رسول الله صلی
الله علیه وسلم یا عائشة الا تغنّین فانّ هذا الحیّ
من الانصار یحبُّون الغناء رواه ابن حبان فی
صحیحه۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے کہ میرے
پاس انصار کی ایک لڑکی تھی۔ میں نے اس کا نکاح کروا دیا پس
رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم غناء نہیں کرتی ہو۔
یہ محلہ انصار کا ہے، جو غناء کو دوست رکھتے ہیں۔ اس کو ابن حبان
نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔"

❁ عن ابن عباس رضی الله عنهما قالت انکحتْ عائشة ذات
قرابةٍ لها من الانصار فجاء رسول الله صلی الله
علیه وسلم فقال اَهدَیْتم الفتاة قالوا نعم
قال ارسلتم معها من تغنی قالت لا فقال
رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الانصار قوم
فیهم غزل فلو بعثتم معها من یقول اتیناکم

اتینا کم۔ فحیانا وحیا کم۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی انصار کی قرابت والی کا نکاح کیا۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ پس فرمایا تم نے اس عورت کو بھیج دیا۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس کے ہمراہ کسی گانے والے کو بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نہیں۔ پس حضرت نے فرمایا کہ انصار ایک ایسی قوم ہے کہ جن کی عادت غزل گانا ہے۔ پس اگر تم اس کے ساتھ ایسے شخص کو بھیجتے، کہ جو کہتا کہ آئے ہم تمہارے پاس۔ پس ہم کو اور تم کو سلامت رکھے تو بہتر ہوتا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔''

❁ عن عامر ابن سعد قال دخلت علی قرظة بن كعب و ابی مسعود ن الانصاری فی عرس و اذا جوار يغنين فقلت ای صاحبیّ رسول الله صلی الله عليه وسلم و اهل بدر يفعل هذا عند كم فقالا اِجلس ان شِئت فاسمع معنا و ان شِئتَ فاذهب۔ فانّهٗ قد رُخِّصَ لَنا فی اللّهو عند العرس۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: ''عامر بن سعد سے روایت ہے۔ کہا اُس نے کہ میں قرظہ ابن کعب اور حضرت ابو مسعود انصاری پر ایک نکاح میں گئے اور اچانک وہاں لڑکیاں گاتی تھیں۔ پس میں نے کہا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں صاحبو اور اے اہلِ بدر! یہ تمہارے پاس غنا

کیا جاتا ہے۔ پس ان دونوں نے فرمایا۔ اگر تم پسند کرتے ہو تو بیٹھ کر ہمارے ساتھ سنو اور اگر چاہتے ہو جانا تو چلے جاؤ۔ کیونکہ ہمیں لہو کی شادی کے موقعہ پر رخصت دی گئی ہے۔ اس کو ترمذی سے روایت کیا ہے۔ انتہیٰ۔

فائدہ:

یہاں تک مشکوٰۃ شریف کے بابِ نکاح کی وہ احادیث جو غناء پر دلالت کرتی ہیں بعینہٖ نقل کی گئیں۔

روایاتِ غناء

مشکوٰۃ شریف کے بابِ عیدین میں جو روایاتِ غناء کے متعلق ہیں وہ درج ذیل ہیں:

❁ عن عائشة رضی الله عنها قالت اِنَّ ابابكر دخل عليها و عندها جاريتانِ فی ايّام مِنٰی تدفان و تضربان و فی رواية تغنيانِ بما تقاولت الانصار يوم بُعاث والنّبی صلی الله عليه وسلم متغش بثوبه فانتهرهما ابوبكر فكشفَ النبیّ صلی الله عليه وسلم عن وجههٖ فقال دع هما يا ابابكر فانّهَا ايّام عيد و فی رواية انّ لِكلّ قوم عيدًا و هذا عيدنا۔ متفقٌ عليه انتهٰی۔ و فی مجمع بحار الانوار فی لغت الزمر وانكر ذالك الغناء

الصدیق لانّہٗ ظنّ انّہٗ صلی اللہ علیه وسلم نائم و لم یعلم انّہٗ اقرّ علی القدر الیسیر فی نحو العروس والعید۔ انتہٰی۔

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپ کے پاس آئے۔ اس حالت میں کہ حضرت عائشہ ؓ کے پاس دو لڑکیاں ایامِ تشریق میں دف بجاتی تھیں اور ہاتھ مارتی تھیں اور ایک روایت میں آیا ہے۔ اس مقولہ کے ساتھ غناء کرتی تھیں کہ جس کو انصار یوم بُعاث (یعنی خزرج اور اوس کے قبیلہ کی لڑائی کا دن) میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور نبی کریم ﷺ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ پس حضرت ابوبکر ؓ نے ان دونوں لڑکیوں کو ڈانٹا۔ اس پر حضرت نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ ان کو چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ ایام عید ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر ایک قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے متفق روایت کیا ہے۔ اور مجمع بحار الانوار میں لغت زمر کے ضمن میں لکھا ہے۔ اور حضرت صدیق ؓ نے اس بنا پر اس غناء سے منع کیا تھا۔ کیونکہ ان کو ظن تھا کہ نبی کریم علیہ السلام سوتے ہوئے ہیں اور ان کی لاعلمی میں یہ فعل ہو رہا ہے۔ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید اور شادی کے موقعہ پر غناء یعنی راگ کو جائز رکھا ہے۔‘‘ (وہ راگ جس میں لہو ولعب نہ ہو اور شیطانی تصور بھی نہ ہو اور فتنہ فساد کا ڈر بھی نہ ہو۔)

صحیح مسلم باب العید سے مندرجہ ذیل روایات

❁ و حدّثنا ابوبکر بن ابی شیبہ قال ابو اسامه عن هشام عن ابیه عن عائشة قالت دخل علی ابوبکر و عندی جاریتان من جوار الانصار تغنّیان بما تقاولت به الانصار یوم بُعاث قالت و لیستا بمغنّیتین فقال ابوبکر أبمزمور الشیطان فی بیت رسول الله صلی الله علیه وسلم و ذٰلك فی یوم عید فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انّ لکلّ قومٍ عیدًا و هٰذا عیدنا۔

و حدّثنا ابراهیم بن محمد بن سفیان فا الحسن بن بشر نا ابو اسامه عن هشام بن عروه عن ابیه بهذا الحدیث۔

ترجمہ: ’’ابوبکر بن ابی شیبہ نے ہمارے پاس حدیث بیان کی۔ کہا اس نے ہم کو ابواسامہ نے ہشام سے اور ہشام نے اپنے باپ سے اس نے حضرت عائشہ ؓ سے خبر دی کہ فرمایا حضرت عائشہ ؓ نے کہ حضرت ابوبکر ؓ میرے گھر میں داخل ہوئے۔ اس حالت میں کہ میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں ایسے اشعار وابیات گاتی تھیں۔ جو بعاث کے دن انصار ایک دوسرے پر مفاخرت کے طریق سے پڑھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا کہ دونوں مغنّی پیشہ نہ تھیں۔ پس حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: کیا رسول خدا ﷺ کے گھر میں آلاتِ غناء اور یہ عید کا دن تھا۔ پس رسول

خدا ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! ہر ایک قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

اور حدیث بیان کی ہمارے پاس ابراہیم بن محمد بن سفیان نے۔ وہ کہتا ہے خبر دی ہم کو حسن بن بشر نے کہ خبر دی ہم کو ابواسامہ نے ہشام سے اور ہشام نے اپنے باپ سے ساتھ اسی حدیث کے۔"

❁ و حدّثنا یحیٰی بن یحیٰی و ابو کریب جمیعًا عن ابی معاویه عن هشام بهذ الاسناد و فیه جاریتان تلعبان بدفٍ و حدّثنی هارون بن سعید الایلی قال نا ابن وهب قال اخبرنی عمرو ان ابن شهاب حدّثهٔ عن عروه عن عائشه رضی الله عنها انّ ابابکر الصدّیق دخل علیها و عندها جاریتان فی ایّام منٰی تغنیان و تضربان و رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجًّی بثوبه فانتهرهما ابوبکر فکشف رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال دَع هما یا ابابکر فانها ایّام عید.

ترجمہ: "اور حدیث بیان کی ہمارے پاس یحیٰی بن یحیٰی اور ابو کریب دونوں نے متفقاً ابو معاویہ سے اس نے ہشام سے اسی اسناد سے اور اس میں ہے کہ دو لڑکیاں کھیل کرتی تھیں ساتھ دف کے اور حدیث بیان کی میرے پاس ہارون ابن سعید ایلی نے کہا اس نے خبر دی ہم کو ابن وہب نے کہا اس نے خبر دی مجھ کو عمرو نے کہ ابن شہاب نے اس کے پاس عروہ سے اور عروہ نے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی کہ تحقیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں ایامِ منیٰ میں گاتی تھیں اور تالیاں بجاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کپڑا تمام جسم پر اوڑھ کر لیٹے ہوئے۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں لڑکیوں کو زجر و ڈانٹ کی۔ پس رسولِ خدا ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک چادر سے باہر نکالا اور فرمایا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ان دونوں کو چھوڑ۔ کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔

قولہ:

"لَیْسَتا بمغنیّتین" یعنی ان دونوں لڑکیوں کا پیشہ غناء نہ تھا۔ اس میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لڑکیاں عید کے دن محض عید کی خوشی سے گاتی تھیں۔ ورنہ رذائل کی طرح گانا ان کا پیشہ نہ تھا۔ بلکہ یہ شرفاء کی لڑکیاں تھیں۔ پیشہ وروں کی نسبت ان کا منع کرنا سہل اور اہم ضروری تھا۔ جس سے شارع علیہ السلام کا سکوت بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زجر کرنے پر ان کو روکنا اور فرمانا کہ ہر ایک قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ایسے خوشی کے موقعوں پر ایسا غناء مباح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فعل سے گویا اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ میں سویا ہوا نہ تھا بلکہ بیدار تھا اور خود اپنے سکوت اور تقریر سے مجوز تھا۔

شرح حدیث

قال الامام النووی فی شرح هذ المقام۔ واختلف العُلماء فی الغناء فاباحهٔ جماعةٌ من اهل الحجاز وهی روایةٌ عن مالك رضی الله عنه و حرّمهٔ

ابو حنیفه رضی اللہ عنہ و اهل العراق و مذهب الشافعی رضی اللہ عنہ
کراهةٌ وهو المشهور من مذهب مالك رضی اللہ عنہ واحتج
المجوزون بهٰذا الحديث و اجاب الاٰخرون بانّ
هذا الغناء انّما كان فی الشجاعةِ والقتلِ والحذق فی
القتال و نحو ذالك مما لا مفسدة فيه بخلاف
الغناء المشتمل علی ما يهيج النفوس علی الشر
و يحملها علی البطالة والقبح. انتهٰی۔

ترجمہ: "امام نووی رضی اللہ عنہ اس مقام کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علماء نے غناء میں اختلاف کیا ہے۔ علماء اہل حجاز کی جماعت نے اس کو مباح قرار دیا ہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اباحت کی ایک روایت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اہل عراق نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب اس میں کراہت ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔

مجوزین غناء نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے اور منکرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ غناء منصوص الاباحۃ شجاعت اور جنگ اور لڑائی کی باریک بینیوں وغیرہ کے متعلق تھا۔ جس میں کوئی فساد و فتنہ نہیں۔ برخلاف اس غناء کے جو ایسے مضامین پر مشتمل ہو کہ انسانی نفوس کو برائی و بیہودگی اور قباحت پر برانگیختہ کریں۔" (انتہیٰ)

خلاصہ کلام امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ صحت حدیث میں فقہا کے کسی فریق کو بھی کلام نہیں۔ اور جو لوگ مطلق غناء کی اباحت کے قائل ہیں۔ ان کی سند بھی یہی

حدیث ہے۔ اور جو محرم یا متکرہ ہیں۔ وہ اس حدیث کو صحیح مان کر اس کی اس سماع سے تخصیص کرتے ہیں جس میں مضامین سننے والے یا گانے والے کے حق میں شہوات نفسانیہ کو برانگیختہ کرنے والے نہ ہوں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ وہ لڑکیاں جنگِ بُعاث کی معرکہ آرائیوں کے مضامین گاتی تھیں۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ جو سماع شہواتِ نفسانیہ کا محرک اور ارتکابِ محرمات کا مقدمہ نہ ہو۔ وہ محرمین سماع کے نزدیک بھی حلال و مباح ہوگا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا شجاعت و جنگ وغیرہ کے مضامین اور بقیہ اقسام بلحاظ مفاسد بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہوں گے۔ اس سے لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ اصل سماع جو موزوں اور بامعنی کلام کو الحان اور نغمہ سے پڑھنا ہے۔ عند الفریقین مباح و حلال ہے۔

حرمت جو اس میں لاحق ہوئی ہے۔ نفس غناء کو اس میں دخل نہیں۔ بلکہ وہ مضامین کی قباحت و برائی سے پیدا ہوئی ہے۔ میرے ناقص خیال میں اگر غور سے دیکھا جائے تو غناء کے متعلق علماء کی دونوں جماعتوں محرم و متکرہ اور مجوز و مبیح میں لفظی اختلاف ہے۔ جن حضرات نے غناء کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اصل حقیقتِ سماع پر نظر ڈال کر کہ وہ ایک منظوم و بامعنی کلام کو الحان و نغمہ سے ادا کرنا ہے۔ بلحاظِ حقیقت اس کی اباحت کا حکم دے دیا ہے۔

اور علماء محرمین و متکرین نے اصل غناء کی حقیقت میں مضامین مہیج شہوات فاسدہ بھی داخل سمجھ کر اس کی حرمت و کراہت پر حکم لگا دیا ہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کے زمانہ میں علی العموم اور بعد ازاں بھی اکثر فساق ایسے شہوت انگیز مضامین جو زنا و دیگر محرمات کا مقدمہ ہو سکتے ہیں۔ نظم کر کے غناء کی صورت میں الحان سے پڑھا سنا کرتے تھے۔ محرمین نے غناء کی یہی اصل حقیقت سمجھی۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو کراہت و حرمت جو مفاہیم کے اعتبار سے لاحق ہوئی ہے۔ وہ سماع کی حقیقت

نہیں۔ نہ اس کو حقیقتِ سماع سے کوئی تعلق ہے۔ کیونکہ اگر شہوت انگیز کلام کو بدون نظم و الحان بھی کسی سے سنا جائے۔ جو قطعاً غناء نہیں۔ تو بھی بالاتفاق یہ تمام اہلِ علوم کے نزدیک حرام ہوگا۔ جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ اس حرمت میں شعر و الحان کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ یہ حکم اصل مضمون سے وابستہ ہے۔ اور حق اس میں وہ ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شعر ایک کلام ہے۔ پس حسن اس کا حسن اور قبیح اس کا قبیح ہے۔ الغرض احادیثِ نبوی کی رو سے نفسِ غناء مباح ہے۔ اگر نفسِ غناء جائز نہ ہوتا تو دف بجانا اور تالیاں بجا کر گانا جو عین غناء ہے خواہ کسی مضمون کا ہو۔ بلحاظِ غناء ممنوع و ناجائز قرار دیا جانا ضروری تھا۔ لیکن شارع علیہ السلام نے بجائے اس کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پر ڈانٹ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ان کو چھوڑ دو۔ یعنی انہیں بدستور گانے دو۔ جو صحاح کی مختلف روایات سے ثابت ہے۔

چونکہ احادیثِ صحاح سے سماع کی اباحت صراحۃً ثابت ہو چکی ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت حرمت غناء کو غناء مخصوص پر محمول کرنا پڑے گا۔ جس میں عوارضات خارج از حقیقتِ سماع مثلاً ایسے امورِ مہیج الشہوات شامل ہیں۔ جن سے اکثر عشاق سفہاء کا عالم جوانی میں لغزش کا غالباً بالکل یقیناً اندیشہ ہے۔ کیونکہ غناء ان کی مضمرہ خواہشوں کو برانگیختہ کرنے میں جادو کا اثر رکھتا ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں حرمت نفسِ سماع سے نہیں پیدا ہوئی۔ بلکہ سامع کے حالات اور مسموع کی خاص خصوصیتوں کے عوارضات نے اس حرمت کو پیدا کیا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بغیر غناء بھی نثر میں معشوقوں کے خد و خال کی تعریف سننا بعینہ اسی بلا کا موجب اور حرام تھا۔ جس طرح پر غناء المہیج للشہوات عوارضات سے کسی شئے کی حرمت و حلت کے تغیر و تبدل کا اصل حکم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ہم شہد کے متعلق جب حِلت و حرمت کا سوال کریں تو یہی جواب ملے گا کہ وہ مطلقاً حلال ہے۔

باوجودیکہ وہ ایک محرور مزاج محموم کے لیے حرام ہے۔ اسی طرح شراب مطلقاً حرام ہے۔ حالانکہ اس شخص کے لیے جس کے حلق میں لقمہ گلوگیر ہو جائے اور اس کے نگلنے کے لیے کوئی چیز بغیر شراب میسر نہ ہو۔ بقدر دفع حاجت شراب پینی جائز ہے۔

یہ کل تفصیلات چونکہ امور خارجی عارضی کے لحوق سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کو اصل کے تغیر و تبدیل میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ پس اصل سماع مطلقاً بدوں لحاظ عوارضات خارجیہ مباح ہوگا۔

علمِ اصول میں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا بالتصریح یا بالتقریر کسی فعل کو جائز رکھنا اس کی اباحت کی بیّن دلیل ہے۔ پس جب کہ سماع کی اباحت صحیح حدیثوں سے صراحۃً مختلف مواقع میں ثابت ہو چکی تو اب اس قاعدہ کی رو سے کہ کسی شئے کو ایک مقام میں بغیر کسی خاص مجبوری کے شارع علیہ السلام کا جائز رکھنا اس کی اباحت پر نص ہوتا ہے اور ایسے نص کے مقابل میں منع شارع علیہ السلام کی خواہ ہزار مقام پر ہو۔ متحمل تاویل ہوتی ہے۔ کیونکہ فعل کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ جو چیز فعلاً حرام ہو۔ وہ اکراہ و جبر کی صورت میں فقط حلال ہو سکتی ہے۔ اور جو چیز کہ مباح ہو۔ وہ عوارضاتِ کثیرہ سے حرام ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نیت و قصد کے خلل سے بھی اس کو حرمت لاحق ہو سکتی ہے۔ پس اس قاعدہ کی رو سے جو حدیث مذمتِ سماع میں منقول و مروی ہے اس کی تاویل کر کے تطبیق بین الاحادیث دینی پڑے گی اور صحاح کی مذکورہ بالا احادیث چونکہ فعل غناء کی بمرات و کرات بغیر اکراہ غیری مجوزین محتمل تاویل نہیں ہوں گی۔ بعض فقہاء غیر مجتہدین نے واقعہ عید و نکاح کو مخصص قرار دے کر اور اس سماع کو مخصوص المحل سمجھ کر حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ جو بالکل بے معنی ہے۔ کیونکہ اس کے کیا معنی کہ نکاح و عیدین میں ایک امر حرام کا ارتکاب جائز ہو اور دوسری جگہ حرام۔ ایسی بے وجہ تخصیص شریعت کا خاصہ نہیں۔

سماع مندرجہ احادیثِ صحاح کو محض سادہ ابیات پڑھنے سے خاص کرنا اور باوجود تالی و دف بجانے کے اس کو خارج از سماع مختلف فیہ سمجھنا سخت خلافِ عقل و نقل ہے کیونکہ متنازعہ فیہ وُہی سماع ہے جو دف و مزامیر سے ہو۔ اگر اس میں اختلافِ اباحت وحرمت نہ ہو تو مبارک باد۔ کیونکہ اس صورت میں اس کو لامحالہ مباح ماننا پڑے گا۔ اس لیے کہ بغیر مختلف فیہ غناء کے دوسرے کوئی قسم غناء کی کسی کے نزدیک ممنوع نہیں۔ پس جب مختلف فیہ غناء سادہ قرار دیا گیا تو دف و مزامیر کے غناء کو مختلف فیہ سے خارج سمجھنا پڑے گا جو ہمارے لیے مضر نہیں۔ بلکہ ہمارا عین مقصود ہے۔ کیونکہ ہمارا متنازعہ فیہ صرف سماعِ مزامیر ہے۔

احادیثِ صحاح کی رُو سے جب اجنبی لڑکیوں سے تالی اور دف کے ساتھ سماع سننا مباح ہوا تو مردوں سے سماع سننے کے جواز میں کیا کلام ہو سکتی ہے۔ غایت الامر اگر کوئی شخص سامعین کی عظمت وشان اور ماسوا اللہ سے ان کے استغنیٰ کو اس جواز کا مخصص قرار دے۔ جس کی اگرچہ الفاظ احادیث بالکل مساعدت نہیں کرتے۔ کیونکہ

ما کان معکم لھو فانّ الانصار یعجبھم اللھو۔ بخاری میں اور الا تغنین فانّ ھذا الحیّ من الانصار یحبّون الغناء۔ صحیح ابن حبان میں ارسلتم معھا من تغنّی قالت لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انالانصار قوم فیھم غزل۔ الخ۔

صحیح ابن ماجہ میں فانّہٗ قد رخصّ لنا فی اللّھو عند العرس۔

ترمذی میں۔ صراحتاً اس امر کی دلیل ہے کہ نفسِ غنا قطع نظر از اُمورِ خارجیہ قطعاً مباح وحلال ہے۔ لیکن ہم تنزلاً خصم کی اس بلاوجہ تخصیص کے ماننے کو بھی تیار ہیں کہ حضرت سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

حق میں چونکہ سماع ومزامیر کسی برے اثر کی بجائے محبت وعشق الٰہی کے جذبات کو تیز کرنے میں زیادہ مؤثر تھا۔ اس لیے انہیں حضرات تک جو عشاقِ الٰہی تھے۔ اس غناء کی اباحت مخصوص ومحدود رکھنی ضروری ہوئی۔ کیونکہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ غناء ان مخفی و مضمر جذبات کو برانگیختہ کرنے میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے جو انسان کے دل میں پہلے سے ہی موجود ہوں۔

پس ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ تخصیص بھی نفسِ غناء کی اباحت کو منافی نہیں۔ بلکہ اس کی مثبت ہے۔ جو ہمارا عین مقصود ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی یہ ماننا پڑے گا کہ حرمت جو غناء کو عارض ہوتی ہے وہ سامعین کے اختلافِ احوال سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ اگر سماع یا آلۂ سماع بعینہٖ حرام ہوتے۔ تو رسول اللہ علیہ السلام اور صحابہ کرام کے لیے ان کی اباحت کیا معنی۔ کیونکہ حرام بعینہٖ اضطراری ضرورت کے بغیر اور وہ بھی بقدرِ ادنیٰ الضرورت کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ مثلاً سؤر کا گوشت اس شخص کے لیے بقدرِ قوتِ لایموت کھانا جائز ہے جو بھوک سے مر رہا ہو۔ اور کوئی چیز اس کو بدوں اس کے میسر نہ ہو۔ ایسے شخص کے لیے اس قدر قلیل المقدار حرام بعینہٖ کا کھانا جائز ہے۔ جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ نہ سیر ہو کر۔ چونکہ ہمارے متنازعہ فیہ میں اس قسم کے اضطرار کا احتمال تک نہیں۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ سماع یا آلاتِ سماع حرام بعینہٖ نہیں۔

بلکہ حرمت ان کو بعض صورتوں میں امورِ خارجیہ سے لاحق ہوتی ہے۔ جو ہمارا عین مطلوب ہے۔ جب اصل غناء کی اباحت ثابت ہو چکی۔ تو حضرات صوفیہ کرام کے لیے جو عشقِ الٰہی میں محو وفنا ہیں۔ سماع مطلقاً حلال ومباح ہوا۔ کیونکہ یہاں بعینہٖ وہ معنیٰ بھی موجود ہیں۔ یعنی عشق ومحبتِ الٰہی۔ جن کو خصم نے مخصص اباحت قرار دیا تھا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

چنانچہ اسی اصول پر علامہ فقیہ خاتمۃ المحققین الشیخ محمد امین الشہیر ابن عابدین اپنی کتاب ردالمحتار علی الدرالمختار میں (جو فتاویٰ شامی کے نام سے مشہور اور حنفی مذہب کی کتب متاخرین سے اس قدر مقبول عام ہے کہ ہمارے ملک میں فی زمانا حنفی مذہب کے فتاویٰ کا عموماً اسی پر مدار ہے) لکھتے ہیں:

اقول و ھذا یفید انّ آلة اللّھو لیست محرمة بعینھا بل بقصد اللّھو منھا اِمّا مِنْ سامعھا اَوْ مِنَ المشتغل بھاوبة تشعر الاضافة الا ترىٰ ان ضرب تلك الآلة بعینھا حِلٌّ تَارَةً و حرّم اخرىٰ باختلاف النیة والامور بمقاصدھا و فیه دلیل لِساداتنا الصوفیه الّذین یقصدون بسمعھا اموراھم اعلم بھا فلا یبادر المعترض بالانکار کی لا یحرم برکتھم فانّھم السادة الاخیار ایدنا الله تعالى بامداداتھم و اعاد علینا من صالح دعواتھم و برکاتھم۔ انتھیٰ۔ (جلد فتاویٰ شامی مطبوعہ مصر جلد ۵)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیل (ہذا کے مشار الیہ کے ماصدق علیہ کو مذکور بالا تفصیل سے ہم نے تعبیر کیا ہے) سے یہ فائدہ نکلتا ہے کہ آلۂ لہو بعینہٖ حرام نہیں۔ بلکہ جب اُس سے لہو کا قصد کیا جائے۔ تو بلحاظ قصد لہو حرام ہے۔ خواہ یہ قصد سامع کی طرف سے ہو۔ خواہ مغنی کی طرف سے اور اضافت جو لفظ آلۃ اللّھو میں واقع ہے وہ انہیں

معنی کی مخبر و مشعر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اسی آلہ کو بعینہٖ بجانا کبھی حلال کبھی حرام ہوتا ہے۔ جس کا اختلاف نیت پر مدار ہے۔ اس میں ہمارے سادات صوفیہ کرام کے لیے دلیل ہے جن کے مقاصد سماع میں ایسے جلیل القدر امور ہوتے ہیں جن کو وہی بخوبی جان سکتے ہیں۔ پس معترض کو اِنکار میں دلیری و جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ تاکہ اُن کی برکت سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ وہی خالص اخیار اور نیک ہیں۔ خدا ان کی امدادات سے ہمیں امداد دے۔ اور ہم پر ان کی صالح دعاؤں اور برکات کو نازل کرے۔ انتہیٰ۔

اس عبارت سے جو فقہا حنفیہ کے ایک محقق فقیہ کی مسلمہ کتاب سے منقول ہے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ علماء حنفیہ کا بھی اس مسئلہ میں یہی مذہب ہے کہ سماع بعینہٖ مباح ہے۔ اگر خدا دوست لوگ اس کو سنیں تو چونکہ وہ ان کے عشقِ الٰہی کے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے عین حلال ہے اور اشرار میں چونکہ فسق و فجور کے جذبات کو تیز کرتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے حرام ہے۔ اور آیہ شریفہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ الخ

سے مطلق سماع کی حرمت پر استدلال کرنا خالی از جہالت نہیں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے لہو الحدیث سے غناء بھی مراد لیا ہے۔ جس طرح رستم و اسفندیار اور اکاسرۂ فارس کے قصص اور بے اصل باتیں اور مضاحیک وفضول کلام وغیرہ۔ اس لفظ سے مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے مقاصد کے منافی نہیں۔ لہو الحدیث

سے خواہ کچھ بھی مراد لیا جائے۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ

اس کو صاف کر دیتا ہے۔ ہمارے مبحث سے اس کو کوئی بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں یہ قصہ ہے کہ نضر بن حارث دشمن اسلام ملوکِ عجم کے قصص یا دوسری روایت کے بموجب مغنی لونڈیوں کو اس غرض سے خرید کر لایا تھا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کو خدا کی راہ سے گمراہ کرے۔ جو کفر کا انتہائی مرتبہ ہے۔ پس اس سے حرمتِ غناء پر استدلال کرنا عجیب جنون ہے۔

اسی استدلال کے جواب میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

ولو قری القرآن لیضلّ بہ عن سبیل اللہ لکان حرامًا۔

ترجمہ: ''اگر قرآن بھی خدا کے راہ سے گمراہ کرنے کی غرض سے پڑھا جائے تو حرام ہے۔''

سماع یا کسی اور چیز کا تو ذکر ہی کیا۔ یہاں حرام بمعنی کفر ہے اور ایسا استعمال متقدمین کی کلام میں شائع و ذائع ہے۔ اور اسی مضمون پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ حکایت لکھتے ہیں:

حکی عن بعض المنافقین انّہ کان یؤم النّاس لا یقرأ الّا سورۃ عبس لما فیھا من العتاب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھم عمر رضی اللہ عنہ بقتلہ و رأی فعلہ حرامًا لما فیہ من

الاضلال فالاضلال بالشعر و الغناء اولیٰ بالتحریر۔

ترجمہ: ''کسی منافق کی حکایت کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو امامت کراتا تھا اور ہمیشہ سورۂ عبس کے سوا کچھ نہیں پڑھا کرتا تھا۔ کیونکہ اس سورۃ میں رسولِ خدا ﷺ کو جناب باری کی طرف سے عتاب ہے۔ (اس کی غرض اس سے حضرت کی ذاتِ بابرکات یا دوسرے لفظوں میں اسلام سے لوگوں کو نفرت کرانی تھی) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے فعل کو حرام (بمعنی کفر) سمجھا۔ کیونکہ اس میں معنی اضلال تھے اور اس کے قتل کا اہتمام کیا۔''

جب کہ قرآن مجید کا اس معاملہ و نیتِ اضلال سے پڑھنے کا یہ حال ہے۔ تو شعر و غناء سے کسی کو گمراہ کرنا بدرجہ اولیٰ حرام یعنی کفر ہوگا۔ جس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ کیونکہ اضلال کی نیت سے تو جو فعل بھی کیا جائے وہ حرام ہی نہیں بلکہ کفر ہوتا ہے۔ پس غناء کی کیا خصوصیت رہی۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ

❁ ❁ ❁

آدابِ سماع اور وجد

ماخوذ: کیمیائے سعادت مترجم۔ ناشر زاویہ پبلشرز، لاہور

ہم اس کے احکام و مسائل انشاء اللہ العزیز دو بابوں میں بیان کریں گے۔ پہلا باب اس کے بیان میں ہے کہ کونسا سماع حلال ہے اور کونسا حرام ہے۔ دوسرا باب سماع کے آثار اور اس کے آداب میں ہے۔

سماع کے مباح ہونے اور حرام و حلال ہونے کا بیان

بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک سِرّ اور راز ہے۔ جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے۔ جب لوہے کو زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو وہ پوشیدہ آگ ظاہر ہو جاتی ہے اور ہمہ اوقات تمام صحرا میں پھیل جاتی ہے۔

اس طرح موزوں اور سریلی آواز سننے سے دل کے گوہر میں جُنبش پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جن میں آدمی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اس کا سبب وہ مناسبت ہے جو آدمی کے گوہر کو عالم علوی سے عطا ہوئی۔ جسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ اور عالم علوی عالم حسن و جمال ہے۔ اور حسن و جمال کی اصل تناسب ہے۔ اور جو کچھ متناسب ہے اس عالم کے حسن و جمال کی نمود کاری ہے۔ اور وہ متناسب جو عالم محسوسات میں پایا جاتا ہے۔ سب اس عالم کے حسن و جمال کا ثمرہ ہے۔ موزوں اور متناسب آواز بھی اس عالم سے مشابہت رکھتی ہے اور اس عالم کے عجائبات میں سے ہے۔ اس بنا پر دل میں ایک قسم کی آگاہی پیدا ہوتی ہے اور ایک طرح کی حرکت اور

شوق ظاہر ہوتا ہے۔ جسے آدمی محسوس کرتا ہے کہ یہ کیا شے ہے؟

اور صرف اس قدر احساس اس دل میں پیدا ہوتا ہے جو سادہ اور عشق و شوق سے خالی ہوتا ہے۔ جو بندے کو عالم علوی کے راستے پر ڈالتا ہے۔ اور وہ دل جو عشق و شوق سے خالی نہ ہو بلکہ پہلے ہی شوق کی کیفیت سے موصوف ہو تو سریلی آواز سننے سے اس میں مزید حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح آگ کو پھونک مارتے ہیں تو وہ جل اُٹھتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں شوق الٰہی کے دل کا راستہ ہو اس کیلئے سماع ضروری ہے تا کہ وہ شوق تیز تر ہو جائے اور جس شخص کے دل میں بری باتوں سے پیار والفت ہو سماع اس کے لیے زہر قاتل اور حرام ہے۔

فائدہ

علماء کرام کا سماع میں اختلاف ہے کہ حلال ہے یا حرام ہے؟ حرمت کے قائل ظاہر بین علماء ہیں، جن کے دل میں یہ صورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی فی الواقع آدمی کے دل میں سرایت کرتی ہے۔ کیونکہ ظاہر بین عالم یہ کہتا ہے کہ آدمی کی دوستی اپنی جنس سے ہی استوار ہو سکتی ہے۔ جو چیز آدمی کی جنس سے نہ ہو اور اس کی کوئی نظیر و مثال بھی نہ ہو تو اس سے رشتہ دوستی کیسے استوار ہو سکتا ہے۔

تو اس عالم کے نزدیک صرف مخلوق کی صورتوں سے ہی عشق کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر عشق خالق کسی صورت یا تشبیہ کے واسطے سے ہو تو یہ باطل ہے اور یہ دونوں باتیں دین میں مذموم اور بری ہیں۔

تردید:

یہ خیال درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس عالم سے یہ دریافت کیا جائے کہ مخلوق کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کے واجب اور ضروری ہونے کے کیا معنی ہیں تو وہ اس کا

معنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور طاعت کرنے کو قرار دیتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس میں ایسے علماء مبتلا ہیں اور ہم رکن منجیات کی کتاب محبت میں اس کی وضاحت کریں گے۔ یہاں ہم اتنا کہتے ہیں کہ سماع کا جواز دل سے حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ سماع کوئی ایسی چیزیں پیدا نہیں کرتا جو پہلے سے دل میں موجود نہ ہوں۔ بلکہ صرف جنبش پیدا کرتا ہے۔ جو پہلے سے اس میں موجود ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے دل میں ایسی بات موجود ہو جو شروع میں محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور اس کی تقویت مقصود ہوتی ہے۔ جب سماع اس کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ تو اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور جس آدمی کے دل میں کسی باطل اور غلط چیز کا خیال جاگزین ہو جو شروع میں مذموم اور بری ہو تو ایسے آدمی کیلئے سماع عذاب ہے۔ اور جس آدمی کا دل ان دونوں سے خالی ہو اور صرف کھیل تماشے کے طور پر سنے اور طبع کے مطابق اس سے محفوظ ہو تو اس کیلئے سماع مباح ہے۔

اس معنیٰ پر سماع کی تین قسمیں ہوئیں:

قسم نمبر ا:

غفلت، دل لگی اور کھیل تماشے کے طور پر سے سننا۔ یہ اہل غفلت کا طریقہ ہے اور دنیا سب کی سب لہو ولعب اور کھیل تماشا ہے۔ تو سماع کی یہ قسم بھی اسی میں داخل ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں کہ سماع چونکہ خوشی اور مسرت کا موجب ہے اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حرام ہے۔ کیونکہ ہر خوشی ومسرت کی بات حرام نہیں ہوتی۔

اور خوشی ومسرت کی باتوں میں جو حرام ہیں وہ اس وجہ سے حرام نہیں کہ وہ طبیعت کو اچھی لگتی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ ضرر اور نقصان ہوتا ہے ورنہ چڑیوں کی آواز بھی تو اچھی لگتی اور مرغوب ہوتی ہے۔ حالانکہ حرام نہیں۔ بلکہ سبزہ زار، بہتا

ہوا پانی اور پھول کلیاں وغیرہ اشیاء طبیعت کو اچھی لگتی ہیں۔ اور حرام بھی نہیں ہیں۔ تو سریلی آواز کان کے حق میں آنکھ کیلئے سبزہ زار اور بہتے ہوئے پانی کی طرح ہیں۔ اور حرام بھی نہیں ہیں۔ اور ناک کیلئے خوشبو کی طرح ہیں۔ اور قوتِ ذائقہ کے لئے لذیذ کھانے کی طرح ہے۔ اس طرح حکمت کی اچھی اچھی باتیں عقل کیلئے اور ان حواس میں سے ہر ایک کیلئے ایک قسم کی لذت پائی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ سب چیزیں تو حرام نہ ہوں لیکن سماع حرام ہو اور اس بات کی دلیل کہ خوشبو اور کھیل تماشا وغیرہ حرام نہیں، حدیث شریف سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ کہ عید کے دن چند حبشی مسجد کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ (یعنی مسجد کے صحن میں مشق کے طور پر جنگی ہتھیاروں کے ساتھ کرتب کر رہے تھے) رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تو بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ نیچے کرلیے اور میں نے اپنی ٹھوڑی ان پر رکھ لی۔ اور میں اتنی دیر دیکھتی رہی کہ آپ نے چند دفعہ فرمایا کیا بس نہیں کرو گی؟ میں نے کہا نہیں۔ (ھٰذا حدیثٌ صحیحٌ۔ یعنی یہ حدیث مبارک صحیح ہے)

اور ہم اسی کتاب میں یہ حدیث پہلے درج کر آئے ہیں۔ اس حدیث سے پانچ قسم کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

(۱) کھیلنا کودنا اور اسے دیکھنا، جبکہ مقصد صحیح کیلئے ہو اور کبھی کبھی ہو اور حرام نہیں ہے۔

(۲) وہ یہ کام مسجد میں کر رہے تھے۔

(۳) حدیث مبارک میں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر وہاں گئے۔ تو حبشیوں

سے فرمایا۔ اے میرے مجاہدو! کھیل میں مصروف ہو جاؤ۔ یہ آپ کا حکم تھا۔ اگر یہ حرام ہوتا۔ تو آپ کیوں یہ حکم دیتے۔

(۴) آپ نے اس کے دیکھنے کی ابتدا کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم بھی دیکھو گی۔ تو آپ نے گویا تقاضا فرمایا۔ اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور آپ خاموش رہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی یہ گنجائش نکلتی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ آپ نے اس لیے ان کو منع نہ فرمایا تاکہ انہیں رنج نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ بات بد خلقی میں داخل ہے۔

(۵) آپ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کافی وقت کھڑے رہے۔ حالانکہ کھیل تماشے کو دیکھنا آپ ﷺ کا کام نہیں تھا۔ اور اس سے معلوم ہونا چاہیے کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کیلئے ایسا کرنا جائز ہے تاکہ اس طرح کے کام دیکھ کر ان کا دل خوش ہو اور یہ نیک اخلاق میں داخل ہے اور یہ بات خود کو خلوت نشین کر دینے اور اپنی پارسائی ظاہر کرنے سے افضل ہے۔

حدیث نمبر ۲:

صحیح حدیث میں ہے عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں ابھی نابالغ تھی اور گڑیوں کو بنا سنوار کر رکھتی تھی۔ جس طرح چھوٹی بچیوں کی عادت ہوتی ہے کچھ اور بچیاں بھی آجاتیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تو وہ بچیاں وہاں سے بھاگ جاتیں۔ حضور نبی پاک ﷺ انہیں واپس میرے پاس بھیجتے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ یہ گڑیاں کیا ہیں؟ میں نے کہا یہ میری بچیاں ہیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے جسے تو نے ان دونوں کے درمیان باندھا ہے؟ میں نے جواب دیا۔ یہ ان کا گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا اس گھوڑے پر یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ یہ اس کے بال و پر ہیں؟

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑے کہ بال و پر کہاں ہوتے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے بال و پر تھے یہ سن کر رسول اکرم ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک دکھائی دینے لگے۔

فائدہ:

(امام غزالی قدس سرہ نے) یہ روایت اس لیے نقل کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نفرت کرنا ترش رو ہونا اور ایسے کام سے خود کو الگ رکھنا دین میں سے نہیں ہے بالخصوص بچوں کیلئے اور اس شخص کیلئے جو وہ کام کرے جو اس کیلئے برا محسوس نہ ہوتا ہو۔

فائدہ:

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ صورت مجسمہ بنانا جائز ہے۔ کیونکہ بچوں کی گڑیاں لکڑی اور کپڑے کی ہوتی ہیں اور پوری شکل وصورت نہیں رکھتیں جیسا کہ روایت ہے کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو لونڈیاں میرے پاس دف بجا کر گا رہی تھیں اور عید کا دن تھا حضور علیہ السلام گھر میں تشریف لائے اور بچھے ہوئے کپڑے پر دوسری طرف منہ کر کے سو گئے اس دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور ان لونڈیوں کو ڈانٹا۔ اور فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کے گھر گانا گاتی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں چھوڑ دے کہ آج عید کا دن ہے۔

فائدہ:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دف بجانا اور گانا مباح ہے۔ اور شک نہیں

کہ گانے کی آواز اور دف بجانے کی آواز حضور ﷺ کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تو آپ کا سننا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع کرنے سے روکنا اس اباحت کی واضح دلیل ہے۔

قسم نمبر ۲:

دل میں تو برا خیال ہو جیسے کسی عورت یا لڑکے سے محبت ہو اور اس کے سامنے سریلی آواز سے سماع کرے۔ تاکہ لذت میں اضافہ ہو۔ یا اپنے معشوق کی عدم موجودگی میں اس کے وصال کی امید پر سماع کرے۔ تاکہ شوق میں اضافہ ہو یا ایسا گانا سنے جس میں زلف خال اور جمال کا ذکر ہو اور اپنے تصورات پر اس گانے کو چسپاں کرے تو یہ حرام ہے۔ اور اکثر نوجوان اسی قسم کے ہوتے ہیں کیونکہ ایسا فعل برائی کے عشق کی آگ کو مزید تیز کرتا ہے حالانکہ اس آگ کو بجھانا ضروری ہے پھر اسے جلانا کیسے جائز ہوسکتا ہے البتہ اگر یہ عشق اپنی بیوی یا لونڈی سے ہو تو یہ دنیا کی چیز سے نفع اٹھانے میں داخل ہے اور یہ جائز ہے۔ ہاں جب بیوی کو طلاق دے دے یا لونڈی کو فروخت کردے تو پھر اس سے عشق ومحبت کا تعلق رکھنا حرام ہے۔

قسم نمبر ۳:

دل میں کوئی اچھی بات ہو جیسے سماع سے قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ چار قسم ہے:

(۱) حاجیوں کا کعبہ اور جنگل کی تعریف میں اشعار پڑھنا۔ کیونکہ یہ اشعار خانہ خدا کے ساتھ محبت کی آگ کو انسان کے باطن میں جوش پیدا کرتے ہیں ایسا سماع اس کیلئے درست ہے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو۔

مسئلہ:

جسے اس کے ماں باپ حج کی اجازت نہ دیں یا کسی اور وجہ سے حج کو نہ جاسکتا ہو تو اس کیلئے ایسے اشعار کا سننا جائز نہیں۔ اور یہ دل میں اس آرزو کو قوی کرتی ہے۔

مسئلہ:

اگر یہ جانتا ہو کہ اگر شوق میں اضافہ ہوگیا تو پھر بھی حج پر جانے کی قدرت رکھتا ہے اور اپنے گھر میں قیام پذیر رہے گا تو اس صورت میں ایسے اشعار کا سننا مباح ہے۔

فائدہ:

اسی قسم میں داخل ہے غازیوں کا گانا اور سماع جو لوگوں کو خدا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ اور جہاد پر آمادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی میں جان کو ہتھیلی پر رکھنے کی آرزو پیدا کرتا ہے تو اس کا ثواب بھی ہے۔

مسئلہ:

وہ اشعار پڑھنا جن کی میدانِ جہاد میں عادت ہو تاکہ مجاہدین کو دلیری حاصل ہو اور وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہوں اور ان کی بہادری میں زیادتی کا باعث ہو تو ان کو بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ جنگ ہو رہی ہو۔ ہاں اگر یہ جنگ اہل حق سے ہو تو پھر ایسا کرنا حرام ہے۔

(۲) وہ گانا اور رونا جس سے رونا آئے اور دل کے درد میں اضافہ ہو تو اس سماع میں بھی ثواب ہے جبکہ یہ رونا اپنے مسلمان ہونے میں کوتاہی کے ارتکاب اور اپنے گناہوں کو یاد کرنے اور بلند درجات کے فوت ہوجانے سے اور خدا کی خوشنودی کیلئے ہو جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا آپ اس قدر روتے تھے

کہ اس کی درد بھری آواز سے متاثر ہو کر کئی جنازے اٹھتے تھے اور آپ نہایت خوش الحان اور خوش آواز تھے۔

مسئلہ:

دل میں حرام کا صدمہ ہو تو اس پر رونا اور اظہار غم کرنا بھی حرام ہے جیسے کوئی عزیز فوت ہو جائے اور اس پر بین کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ۔

"تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو۔"

مسئلہ:

جب کوئی شخص قضائے الٰہی پر راضی نہ ہو تو اس پر اظہار غم اور نوحہ اور بین کرے تاکہ غم اور صدمہ میں اضافہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔

مسئلہ:

ایسے بین اور نوحہ گری پر اُجرت لینا بھی حرام ہے اور ایسا کرنے سے وہ گناہگار ہوگا اور سننے والا بھی گناہگار ہوگا۔

قسم نمبر۳:

دل میں خوشی ہو اور وہ چاہے کہ سماع کے ذریعے اس خوشی میں اضافہ کرے تو اس مقصد کیلئے بھی سماع جائز ہے جبکہ ایسے کام کی خوشی ہو جو شرع میں جائز ہو اور لوگ اس پر اظہار خوشی کرتے ہوں جیسے شادی کا موقعہ اور دعوت ولیمہ اور عقیقہ اور اپنے لڑکے کیلئے جو سفر سے واپس آیا ہو، ختنہ کے وقت اور خود سفر سے واپس آنے کے وقت جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت کر کے مدینہ شریف میں پہنچے تو لوگوں

(صحابہ کرام) نے آپ کا استقبال کیا اور خوشی منائی اور دف بجایا اور لوگ اس موقعہ پر یہ شعر پڑھتے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ داع

ترجمہ: "ثنیۃ الوداع کی پہاڑیوں سے ہم پر چاند طلوع ہو کر آیا ہے ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے۔ جب تک دعوت حق دینے والا دعوت دیتا رہے۔"

مسئلہ:

شادی اور خوشی کے موقعہ پر سماع جائز ہے۔ اسی طرح جب دوست احباب اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے ہوں اور ایک دوسرے کو خوش کرنا چاہیں تو سماع کی محفل قائم کریں اور ایک دوسرے کی موافقت میں اظہار خوشی کریں تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

قسم نمبر۴:

جب کسی کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہو چکا ہو اور وہ حد عشق تک پہنچ چکا ہو تو اس کے لیے سماع ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سماع کا اثر بہت سی رسمی قسم کی خیرات سے زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ کا سبب ہو تو اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے صوفیہ کرام میں جو سماع مروج ہے اس کی بناء اور اصل بات یہی ہے اگرچہ اب اس میں بھی رسم کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اس گروہ کے سبب جو ظاہری صورت میں تو صوفی ہے مگر معنیٰ اور حقیقت کے اعتبار سے صوفیت سے مفلس اور تہی دست ہے۔

فائدہ:

سماع آتش عشق کو بھڑکانے میں بڑا اثر کرتا ہے۔صوفیہ کرام میں سے بعض ایسے بھی ہو گزرے ہیں جن کو دورانِ سماعت مکاشفات ہوتے ہیں اور اس میں ان کو وہ لطف حاصل ہوتا ہے۔جو سماع کے سوا نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ لطیف احوال جو ان پر سماع کے دوران وارد ہوتے ہیں انہیں وجد کہتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سماع سے ان کا دل اس قدر پاک صاف ہو جاتا ہے۔جس طرح چاندی کو آگ میں ڈال کر میل کچیل سے پاک کر دیتے ہیں سماع بھی دل میں ایسی آگ لگا دیتا ہے۔جس سے دل کی تمام کدورتیں دور ہو جاتی ہیں اور یہ چیز بسا اوقات۔بہت سی ریاضتوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی اور اس مناسبت کو جو روح انسانی کو عالم ارواح سے ہے تیز کر دیتا ہے چنانچہ بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کلیۃً اس عالم فانی سے کٹ جاتا ہے اور جو کچھ جہاں میں ہے اس سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اعضاء کی طاقت جاتی رہتی ہے اور وہ گر پڑتا اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

سماع کے دوران اسے پیش آنے والے جو حالات مطابق شرع درست اور صحیح حاصل ہوتے ہیں۔ان کا بڑا درجہ ہے اور جو شخص ان حالات کی تصدیق کرتا ہے اور مجلس میں موجود ہوتا ہے وہ بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتا تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے کہ یہاں۔بہت سی غلطیوں کا اندیشہ ہوتا ہے اور۔بہت سی مبنی بر خطاء گمان انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اس کے حق و باطل کے نشانات کو پختہ کار اور راستے سے واقف کار بزرگ ہی جانتے ہیں اور مرید کیلئے درست نہیں کہ از خود سماع اختیار کرلے۔اور اپنے تقاضائے طبع کے مطابق اس راستے پر چل پڑے۔

حکایت:

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید اعلیٰ حلاج نامی نے آپ سے سماع کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا تین دن تک کچھ نہ کھا بعد میں تیرے سامنے اچھا مرغن کھانا تیار کیا جائے اور ساتھ مجلس سماع منعقد کی جائے اگر تیری طبیعت اس کھانے کی بجائے سماع کی طرف مائل ہو تو اس صورت میں تیرے لیے سماع درست اور حلال ہے۔

مسئلہ:

وہ مرید (اہل سماع) جس کے دل میں ابھی عالم غیب کے حالات پیدا نہیں ہوئے اور اس معاملے کے راستے سے بے خبر ہے۔ یا احوال ومواجیہ پیدا تو ہوتے ہیں لیکن ابھی تک شہوت کا زور مکمل طور پر نہیں ٹوٹا تو پیر کے لیے ضروری ہے کہ اسے سماع سے روکے۔کیونکہ ایسے مرید کو سماع سے فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ پہنچتا ہے۔

فائدہ:

جو صوفیہ کرام کے احوال اور وجد کا منکر ہے دراصل کم ظرفی کی وجہ سے انکار کرتا ہے ایسا شخص معذور ہے کیونکہ انسان کیلئے اس چیز پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا دشوار ہوتا ہے۔جس سے ناواقف ہوتا ہے

کم ظرف کی مثال:

ایسے کم ظرف کی مثال مخنث جیسی ہے جو جماع کی لذت کا باور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق قوتِ شہوت سے ہے۔جب اس میں قوت شہوت پیدا نہیں کی گئی تو وہ

اسے کیسے جان سکتا ہے یونہی اگر نابینا سبزہ زار اور بہتے پانی کے نظارے کی لذت کا انکار کرے تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ کیونکہ وہ بے چارہ بینائی سے محروم ہے اس لذت پر کیسے یقین کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بچہ حکمرانی اور فرمان روائی کی لذت سے انکاری ہے تو تعجب کی کوئی بات نہیں وہ تو کھیل کود میں مست ہے اسے حکومت وسلطنت چلانے سے کیا واسطہ۔

کم ظرف وہابیہ دیوبندیہ:

صوفیہ کرام کے احوال ومواجیہ کا انکار کرنے والے دانشور مولوی وغیرہ ہوں یا عوام سب بچوں کی طرح ہیں کیونکہ جس چیز کو ابھی تک انہوں نے نہیں پایا اس کا انکار کر رہے ہیں اور جو شخص تھوڑا سا دانا ہے وہ ضرور اقرار کرتے ہوئے کہے گا کہ مجھے یہ حال حاصل نہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صوفیہ کرام کو یہ احوال ومواجیہ ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ تو ایسا شخص کم از کم صوفیہ کرام کے احوال ومواجیہ پر ایمان رکھتا اور جائز تو کہتا ہے لیکن جو شخص دوسرے کیلئے بھی اس چیز کو محال جانے جو اسے حاصل نہیں ہے تو اس کی غایت ہے۔ ایسا شخص دراصل ان لوگوں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ○

"اور جب کہ ان کو اس راہ کی واقفیت نہ ہو سکی تو عنقریب کہیں گے یہ تو جھوٹ وافتراء ہے۔"

سماع حرام کے اقسام:

جہاں ہم نے سماع کو مباح قرار دیا وہاں پانچ وجوہ سے سماع حرام بھی ہے۔

وجہ نمبر ا:

سماع عورت یا لڑکے سے سنے کہ یہ دونوں شہوت کا موجب ہیں یہ سماع حرام ہے۔ اگر کسی آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے کام میں ڈوبا ہوا ہو۔ جب شہوت جو اس کی فطرت وسرشت میں داخل ہے اور اچھی صورت آنکھوں کے سامنے آئے گی تو شیطان اس کی مدد کیلئے اٹھ کھڑا ہو گا اور یہ سماع شہوت کی آگ بھڑکانے کا موجب بن جائے گا۔

مسئلہ:

اس بچے کی زبان سے سماع درست ہے۔ جو فتنے کا موجب نہ ہو مگر عورت چاہے کتنی بدصورت ہو اس کی زبان سے سماع جائز نہیں جبکہ اسے دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ عورتیں جس شکل وصورت کی بھی ہوں انہیں دیکھنا حرام ہے۔ اور اگر عورت کی آواز پردہ کے پیچھے سے آرہی ہو۔ تو اگر فتنے کا باعث ہو تو حرام ورنہ مباح۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دو لونڈیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گا رہی تھیں اور بلاشبہ ان کی آواز نبی کریم ﷺ سن رہے تھے۔ لہٰذا عورتوں کی آواز پردے میں رہنے والی چیز نہیں جس طرح لڑکوں کے چہرے۔ لیکن لڑکوں کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا جو فتنے کا موجب ہے حرام ہے۔ اور عورتوں کی آواز کا بھی یہی حکم ہے اور حالات کے بدلنے سے حکم شرع بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مضبوط ارادے کے مالک ہوتے ہیں انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں ہوتا۔ اور بعض پختگی کے مالک نہیں ہوتے انہیں فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ ہاں اس کا ڈر نہ ہو تو اس کیلئے اجازت ہے اور اس کیلئے حرام ہے۔ جسے مباشرت کا خطرہ ہو یا ایسا خطرہ ہو کہ بوسہ دیتے ہی انزال ہو جائے گا۔

وجہ نمبر ۲:

سرود (مزامیر) یعنی سماع کے ساتھ رباب، چنگ، سارنگی یا سرود یا عراقی بنسری میں سے کچھ موجود ہو کیونکہ سرود کے بارے میں نہی آچکی ہے۔ نہ اس بناء پر کہ اس کی آواز اچھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی اسے بری اور ناموزوں آواز سے بھی بجائے تو بھی حرام ہے۔ بلکہ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شراب نوش لوگوں کی عادت ہے۔ اور جو چیز ان کے ساتھ خاص ہے۔ اسے شراب کے تابع سمجھتے ہوئے حرام کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ شراب کی یاد تازہ کرتی اور اس کی خواہش کو تیز کرتی ہے لیکن طبل، شاہین اور دف اگرچہ اس میں دائرے پڑے ہوئے ہوں حرام نہیں ہے کیونکہ اسکے بارے میں حدیث میں کچھ نہیں آیا۔ اور یہ سرود کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں شراب خوروں کی عادت اور شعار نہیں ہیں۔ لہٰذا انہیں اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

دف مباح:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دف بجایا گیا۔ اور آپ نے شادی بیاہ کے موقعہ پر اس کے بجانے کی اجازت دی تھی۔ اور اس پر دائرے وغیرہ چاہے کتنے ہی زیادہ ہوں حرام نہیں ہے۔

مسئلہ:

حاجیوں اور غازیوں کا طبل بجانا ایک رسم ہے۔ لیکن ہیجڑوں کا طبلہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ ان کا شعار ہے۔ اور یہ ایک لمبی شکل کا طبلہ ہوتا ہے۔ اس کا درمیانی حصہ باریک اور دونوں سرے چوڑے ہوتے ہیں۔

مسئلہ:

شاہین کا سرا اگر نیچے کی طرف نہ بھی ہو۔ کسی طرح بھی حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اسے بجانا چرواہوں کی عادت ہے۔

فائدہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہین کی حلّت و جواز کی دلیل یہ ہے کہ اس کی خوش آواز ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے انگلی اپنے کانوں میں ڈال لی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کان لگا کر سنتے رہو جب بجانا بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو سننے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مباح ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے کانوں میں انگلی ڈال لینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر اس وقت بہت عجیب اور نہایت عمدہ روحانی حالت طاری تھی آپ نے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ یہ آواز مجھے اس حال سے روک دے گی کیونکہ سماع اللہ تعالیٰ کے شوق کو حرکت میں لانے کا بڑا اثر رکھتا ہے۔ تاکہ جو شخص دور رہو اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرے اور یہ کام ان بے چاروں کیلئے بڑی بات ہے جن کو یہ حالت نصیب نہ ہو۔ لیکن جو شخص عین اس کام میں مصروف ہو۔ یعنی حالت استغراق میں ہو اس کیلئے سماع مانع ہو اور اس کیلئے نقصان دہ ہو۔ ہاں نبی پاک ﷺ کا نہ سننا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ بہت سی مباح چیزیں ایسی ہیں جن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاتا لیکن اجازت دینا اس کے مباح ہونے کی بڑی مضبوط دلیل ہے اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔

وجہ نمبر ۳:

گانے بجانے میں فحش باتوں کا بھی عمل دخل ہو یا اس میں کسی اہل دین کی

مذمت اور ان پر طعن و تشنیع ہو۔ جیسے رافضی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق شعر پڑھتے ہیں یا کسی مشہور عورت کی صفت کی جاتی ہے۔ کیونکہ عورتوں کی صفت مردوں کے سامنے کرنا منع ہے تو اس قسم کے اشعار پڑھنا اور سننا حرام ہے۔ لیکن وہ اشعار جن مین زلف، خال، جمال اور صورت کی صفت ہو یا وصال و فراق کی بات ہو یا وہ باتیں جو عاشقوں کی عادت کے مطابق کہی اور سنی جاتی ہوں۔ ان کا کہنا اور سننا حرام نہیں ہے۔ یہ اس وقت حرام ہے جب پڑھنے یا سننے والا کسی عورت کا خیال کرے جس سے اس کی محبت ہو یا کسی خوبصورت بے ریش لڑکے پر چسپاں کرے تو اس صورت میں اس کا ایسا خیال حرام ہے۔ اور اگر اپنی عورت یا لونڈی پر سماع کرے تو حرام نہیں ہے لیکن صوفیہ کرام اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول اور متغرق ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے سماع اختیار کرتے ہیں۔ تو یہ اشعار انہیں نقصان نہیں پہنچاتے کیونکہ یہ حضرات ہر ایک شعر سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ان کا اپنا حال ہوتا ہے مثلاً عین ممکن ہے کہ زلف سے تاریکی کفر مراد لیں اور چہرے کے نور سے نورِ ایمان اور یہ بھی ممکن ہے کہ زلف سے حضرت خداوندی کی اشکال کا سلسلہ مراد لیں جیسے کسی کے یہ اشعار ہیں۔

گفتم بشمارم سریک حلقہ زلفش
تابوکہ بہ تفصیل برجملہ بر آرم
خندید بمن برسرِ زلفین کہ مشکین
یک پیچ بہ پیچیدہ و غلط کرد شمارم

ترجمہ: "میں نے کہا کہ اس کی زلف کے حلقے کے ایک سرے کو شمار کردو۔ تاکہ تفصیل کے ساتھ سب کو شمار کرسکوں۔ تو معشوق اپنی مشکیں زلفوں کے ساتھ مجھ پر ہنس پڑا صرف ایک پیچ زلف کو کھولا اور کہا کہ اس کے شمار کرنے کا خیال غلط ہے وہ ایسا نہیں کرسکتا۔

اور میرا سارا حساب غلط کردیا۔"

فائدہ:

ممکن ہے کہ زلف سے مراد اشکال لیں جو شخص چاہے کہ عقل کا تصرف اس درجہ کو پہنچ جائے کہ عجائبات الٰہیہ میں سے بال کے ایک سرے کو پہچان لے تو ایک پیچ پڑ جانے سے سارا شمار غلط ہوجائے گا۔ اور تمام عقلیں بے ہوش ہوجائیں گی۔ اور جب اشعار میں شراب و مستی کا ذکر ہو تو اس کا ظاہر معنی مراد نہ لیں۔ مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں:

گر مے دو ہزار رطل پیمائی
تا مے بخوری نبا شدت شیدائی

ترجمہ: "اگر تو ایک ہزار سیر شراب کی پیمائش بھی کرے جب تک پیئے گا نہیں مست و شیدا نہ ہوگا۔"

فائدہ:

اس سے یہ مراد ہیں کہ محض بات اور تعلیم سے دین کا کام درست نہیں ہوسکتا بلکہ ذوق وشوق سے درست ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر تو محبت، عشق، زہد، توکل وغیرہ کی محض باتیں کرے اور اس میں کتابیں بھی تصنیف کرے۔ اور دفتر کے دفتر سیاہ کردے۔ جب تک خود اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف نہ کرے گا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور خرابات سے متعلق جو اشعار پڑھے جائیں تو ان سے ظاہر معنی مراد نہ لیں۔ بلکہ اصل مطلب سمجھیں۔ مثال کے طور پر جب یہ شعر پڑھیں:

ہر کو بخرابات نشد بیدیں است
زیرا کہ خرابات اصول دین است

ترجمہ: "جو شخص خرابات میں نہ جائے بے دین ہے۔ کیونکہ خرابات میں

جانا اصولِ دین سے ہے۔"

فائدہ:

خرابات کے لفظ سے صفات بشریت مراد لیں۔کیونکہ یہی بات اصول دین سے ہے کہ یہ صفات جو اس وقت تجھ میں موجود ہیں۔خراب اور ویران ہوتا کہ آدمی کا اصل گوہر جو اب تک نمایاں نہیں ہوسکا معرضِ وجود میں آجائے۔اور تو اس کے ساتھ آباد ہوجائے۔اور ان بزرگوں کے فہم وفراست کی تفصیل طویل ہے کیونکہ ہر ایک کی سمجھ اس کی نظر کے مطابق ہے اور دوسرے کی سمجھ سے الگ ہے۔

فائدہ:

سماع کے متعلق جو میں نے اس قدر بیان کیا ہے کہ بے وقوف اور بدعتی لوگوں کا ایک گروہ ان بزرگوں پر طعن وتشنیع کرتا ہے کہ یہ لوگ صنم، زلف وخال اور مستی خرابات کی باتیں کرتے ہیں اور سنتے ہیں حالانکہ یہ سب ناروا اور حرام ہے۔یہ احمق لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے ان بزرگوں پر بڑی حجت قائم کردی ہے اور بہت بڑا اعتراض کردیا ہے۔حالانکہ یہ لوگ بزرگوں کے حال سے بالکل بے خبر ہیں۔ان حضرات کو خود وجد ہوتا ہے مگر شعر کے معنی پر نہیں بلکہ محض آواز پر ہوتا ہے۔کیونکہ شاہین کی آواز اگرچہ کچھ معنی نہیں رکھتی اس کے باوجود وجد کا باعث بن جاتی ہے۔اسی وجہ سے جو لوگ عربی شعر نہیں سمجھتے انہیں بھی یہ اشعار سن کر وجد ہوتا ہے۔احمق لوگ سمجھتے ہیں کہ عربی اشعار تو ان کو سمجھ میں نہیں آتے وجد میں کیوں آئے ہیں۔ان احمقوں کو معلوم نہیں کہ اونٹ عربی نہیں سمجھتا اس کے باوجود عرب حُدی خوانوں کی آواز سے وجد کرتا ہے اگر قوت اور خوشی میں آکر بھاری بوجھ لے کر بے خودی کے عالم میں اس قدر چلتا ہے کہ جب منزل پر پہنچتا ہے اور وجد کی کیفیت زائل ہوجاتی ہے تو فوراً زمین پر

گر پڑتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے ان منکرین کو چاہیے کہ گدھے اور اونٹ سے جھگڑیں اور مناظرہ کریں کہ تو عربی تو سمجھتا نہیں تو یہ خوشی تجھے کیسے پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ:

ممکن ہے کہ عربی اشعار سے صوفیہ حضرات ظاہری معنوں کے علاوہ کچھ اور معنی مراد لیتے ہوں اور جو خیالات ان کے ذہن میں ہوں ان کے مطابق معنی مراد لیتے ہوں۔کیونکہ ان کو شعر کی تفسیر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

حکایت:

کسی نے یہ الفاظ پڑھے:

مازارنی فی النوم الاخیالکم۔

ترجمہ: "تمہارے خیال نے نیند میں میری زیارت کی۔"

تو ایک صوفی کو وجد آگیا لوگوں نے دریافت کیا اس وجد کی وجہ کیا ہے کیونکہ تو عربی نہیں جانتا کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے تو صوفی نے جواب دیا کہ میں کیوں نہیں جانتا۔شاعر کہتا ہے کہ زارو ناچار ہیں۔تو شاعر سچ کہتا ہے حقیقت میں ہم زارو ناچار ہیں اور خطرے میں ہیں۔تو ان حضرات کا وجد ایسا ہوتا ہے کہ جس کے دل میں جو تصور غالب ہوتا ہے، وہ جو کچھ سنتا ہے اسے اپنے خیال کی بات ہی سنائی دیتی ہے۔

اور جو کچھ دیکھتا ہے اپنے مقصد کی ہی چیز دکھائی دیتی ہے جو شخص عشقِ حقیقی یا عشقِ مجازی کی آگ میں جلا نہ ہو وہ اس مضمون کو نہیں سمجھ سکتا۔

وجہ نمبر۴:

سننے والا جوان ہو اور اس پر شہوت کا بھی غلبہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو جانتا

بھی نہ ہو کہ کیا چیز ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ جوان زلف وخال اور صورت و جمال کا سنے گا تو اس پر شیطانی خیالات سوار ہوں گے اور اس کی شہوت تیز ہوگی اور خوبرو عورتوں اور بے ریش حسین لڑکوں کے عشق کو اپنے دل میں آراستہ کر لے گا اور عاشقوں کے حالات جو سنے گا تو غالباً اسے اچھے محسوس ہوں گے۔ اس کے دل میں تمنا پیدا ہوگی اور معشوقوں کی تلاش میں مستعد ہو کر کوچہ عشق میں قدم رکھے گا۔ عورتوں اور مردوں میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے صوفیہ کا لباس پہن رکھا ہے اور اس بے ہودہ کام میں مصروف ہیں اور ان لایعنی باتوں کے مرتکب ہیں اور عذر گناہ بدتر از گناہ میں مبتلا ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شخص محبت میں دیوانہ ہو گیا اور اس کے دل میں عشق کا کانٹا چبھ گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عشق خدا کا جال ہے (معاذ اللہ) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت میں اس کو کھینچ لیا ہے اس لیے اس کے دل کی حفاظت کرنا اور اس کی کوشش کرنا بڑے درجے کی بات ہے۔ زنا کی متلاشی عورتوں سے میل جول کا نام طریقت اور فسق و لواطت کا نام عشق کی مستی رکھا ہوا ہے اور ممکن ہے کہ ان بری حرکات پر عذر کرتے ہوئے کہیں کہ فلاں پیر صاحب بھی فلاں لڑکے کو نظر محبت سے دیکھتے تھے۔ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا ہے۔ اور لواطت نہیں بلکہ عشق بازی ہے اور معشوق کو دیکھنا روح کی غذا ہے۔ اسی طرح کی بے شمار بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔

مسئلہ:

جو شخص ان باتوں کو حرام و فسق نہ جانے اباحتی ہے اس کا قتل مباح ہے اور پیروں کی طرف جو ایسی باتیں منسوب کرتے اور حکایات سناتے ہیں کہ وہ بھی خوبرو بے ریش بچوں سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ سب جھوٹ و افتراء ہے۔ اپنے لیے جواز پیدا کرنے کیلئے ایسا کہتے ہیں۔ بالفرض اگر کسی بزرگ نے ایسا کیا ہے تو وہ شہوت کی نیت

سے نہ تھا۔ بلکہ ان کا دیکھنا ایسا تھا جیسے سرخ رنگ کے سیب کو دیکھنا۔ یا خوبصورت پھول کو دیکھنا پھر پیر سے بھی خطا ہو سکتی ہے وہ معصوم تو نہیں ہے۔ اور پیر اگر خطا یا معصیت کا مرتکب ہو جائے تو معصیت مباح نہیں ہو سکتی۔

فائدہ:

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ اس سلسلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ تجھے یہ گمان نہ ہو کہ کوئی شخص بھی اس قسم کے صغائر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگرچہ بزرگ ہی ہو قرآن مجید میں ان کے رونے، گریہ زاری کرنے اور توبہ کے واقعات اس لیے آئے ہیں تاکہ ان سے حجت پکڑے اور اپنے آپ کو معذور جانے۔

فائدہ:

ایک وجہ اور بھی ہے اگرچہ وہ نادر الوجود ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو اس حالت میں جو صوفیوں پر طاری ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور ممکن ہے کہ فرشتوں کی مقدس ذاتیں اور انبیاء کی ارواح کا اس پر کشف ہوتا ہے کسی مثال کے آئینے میں اور یہ کشف آدمی کی صورت میں ہو سکتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو کیونکہ شے کی مثال لازماً اس کے حقیقی معنی کے مطابق ہوتی ہے اور چونکہ وہ معنی عالم ارواح کے معنی میں سب سے زیادہ باکمال ہوتا ہے تو عالم صورت میں اس کی مثال بھی نہایت حسین ہوگی۔

فائدہ:

عرب میں کوئی شخص حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبصورت نہ تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کو اس کی صورت دیکھتے تھے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ان اشیاء میں

سے کوئی چیز خوبصورت لڑکے کی شکل میں منکشف ہو اور دیکھنے والا اس سے عظیم لذت
پائے اور جب اس حالت سے واپس ہو تو وہ معنی روپوش ہو جائے اور وہ اس معنی کی
تلاش میں مصروف ہو جائے جس کی وہ صورت مثال بن کر سامنے آئی تھی اور ہو سکتا ہے
کہ وہ معنی اس صورت کی شکل میں دوبارہ کبھی دکھائی نہ دے ایسی حالت میں اگر اس
کی آنکھ کسی خوبصورت شکل پر پڑے جس کی اس سے مناسبت ہو تو پھر وہی حالت تازہ
ہو جائے اور اس گم شدہ معنی کو پالے اور اس طرح اس پر وجد اور حال طاری ہو جائے تو
جائز ہے کہ کسی شخص میں خوبصورت شکل والے انسان کے دیکھنے کی رغبت پیدا
ہو جائے اس حالت کو واپس لانے کیلئے اور جو آدمی ان اسرار کی خبر نہیں رکھتا جب اس
کی رغبت دیکھتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ وہ ابھی اسی نیت سے خوبصورت انسان کو دیکھ
رہا ہے جس نیت سے یہ خود دیکھ رہا ہے کیونکہ اسے دوسرے مقصد کی کوئی خبر نہیں۔

خلاصہ:

صوفیہ کرام کا کام بڑا عظیم، بڑا پر خطر اور نہایت پوشیدہ ہے اور کسی چیز میں بھی
اس قدر غلطی واقع نہیں ہو سکتی۔ جتنا اس میں ہوتی ہماری یہ گفتگو اس معاملے کی طرف
محض اشارہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ صوفیہ حضرات مظلوم ہیں۔ کیونکہ لوگ انہیں بھی
اپنی ہی جنس میں سے گمان کرتے ہیں اور اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور حقیقت میں
مظلوم وہ ہوتا ہے جو ایسا گمان کرتا ہے کیونکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ
دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھ رہا ہے۔

وجہ نمبر ۵:

عوام عیش و عشرت اور کھیل کود کے طور پر سماع کے عادی ہوتے ہیں اس
قسم کا سماع اس شرط پر مباح ہے کہ اسے پیشہ نہ بنالیں اور ہمیشہ اسی کو اپنا مشغلہ نہ

ٹھہرالیں۔ کیونکہ بعض گناہ جو صغیرہ ہوتے ہیں جب کوئی ان کا عادی بن جائے تو کبیرہ
کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں کبھی کبھار اور تھوڑی مقدار میں
اختیار کی جائیں تو مباح ہوتی ہیں اور جب ان کی کثرت ہو جائے تو حرام ہو جاتی ہیں اس
مباح کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار چند حبشی مسجد نبوی میں کھیل تماشہ کر رہے تھے۔ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو منع نہ فرمایا۔ اور اگر وہ مسجد کو کھیل کود کا اکھاڑہ بنالیتے تو آپ انہیں منع
فرمادیتے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ صا کو ان کی طرف دیکھنے سے منع نہ فرمایا اور اگر کوئی
انہیں ہمیشہ دیکھنا شروع کر دے اور پیشہ بنالے تو دیکھنا جائز نہ ہوگا اور ہنسی مذاق اگر
کبھی کبھی ہو تو جائز ہے۔ اور اگر ہیجڑوں کی طرح عادت بنالے تو یہ جائز نہیں۔

❁ ❁ ❁

سماع کے آثار و آداب

سماع میں تین مقام ہیں: (۱) مقام سمجھنا، (۲) وجد کا طاری ہونا، (۳) حرکت میں آنا۔ اور ہر ایک مقام کیلئے اس مقام کی بحث وگفتگو کی جاتی ہے۔

مقام نمبر ۱:

مقام: جو شخص سماع طبیعت بشری کے تقاضے یا غفلت کے تحت یا کسی مخلوق کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے کرتا ہے وہ اس سے زیادہ خسیس ہے کہ اس کے فہم، حال اور گفتگو کے متعلق کچھ کہا جائے۔ وہاں وہ شخص کہ جس پر دین کی فکر غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت چھائی ہو تو اس کے دو درجے ہیں:

درجہ نمبر ۱:

یہ مرید کا درجہ ہے۔ اسے طلب وسلوک کے راستے میں مختلف حالات پیش آتے ہیں جیسے قبض، بسط اور آسانی و دشواری اور قبولیت یا مردودیت کے آثار اور اس کا دل ہمیشہ اس بارے میں بے چین اور مضطرب رہتا ہے جب ایسی بات سنتا ہے جس میں عتاب، قبولیت، رد، وصل، ہجر، قرب و بُعد، رضا اور ناراضگی، امید اور ناامیدی، خوف اور امن، وفا اور بے وفائی، شادی وصل اور غم وفراق اور اسی قسم کی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے حال پر چسپاں کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے وہ شعلہ زن ہو جاتا ہے مختلف کیفیات و حالات اس میں ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اس میں مختلف خیالات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس کا علم و اعتقاد پختہ نہ ہو تو وہ

سماع کے دوران ایسے خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو کفر ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایسی باتیں سنتا ہے جو اس کی شان کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً یہ شعر کہ

اول بمنت میل بداں میل کجاست
و امر و زملول گشتن از بر چراست

ترجمہ: "پہلے تیرا میلان میری طرف تھا۔ اب وہ میلان کہاں ہے اور اب ملول اور پشیمان ہونا کس بنا پر ہے؟ (پشیمانی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں)"

فائدہ:

جس مرید کی ابتدا اچھی اور رواں ہو پھر کمزور پڑ جائے تو وہ خیال کرے گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت اور اس کی طرف اس کا فضل و کرم تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس عنایت اور فضل و کرم سے پھر گیا ہے تو اگر اس تبدیلی کو اللہ تعالیٰ کی شان قرار دے گا تو یہ کفر ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر و تبدیلی کو ہرگز دخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تبدیلی لانے والا ہے خود تبدیل ہونے والا نہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ خود تیری حالت بدل گئی حتیٰ کہ وہ معنیٰ جو پہلے تجھ میں تھا اب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز کسی قسم کا حجاب اور ملال اور رکاوٹ رونما نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی درگاہ تو ہمیشہ کھلی ہوئی ہے۔

مثال:

آفتاب کا نور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جو شخص دیوار کی اوٹ میں ہو جائے تو آفتاب کی روشنی اس پر نہیں پڑے گی۔ تو یہ تبدیلی اس شخص میں آئی ہے آفتاب کی روشنی میں نہیں آئی تو جو کرتا ہے اس سے صادر ہوئی ہے چاہیے کہ حجاب و کمی کو اپنی طرف

نسبت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرے اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ نقصان
اور تغیر کی صفات اور کیفیات اپنے اور اپنے نفس کے حق میں تصور کرے اور جو جلال و
جمال موجود رہے اسے اللہ تعالیٰ کی شان سمجھے۔ مرید اگر علم کا یہ سرمایہ اور یہ سمجھ اور
فراست نہیں رکھتا تو پھر کفر کے فتنے میں مبتلا ہو گا اور اسے علم بھی نہیں ہو گا اسی وجہ سے
اللہ تعالیٰ کی محبت میں سماع اختیار کرنے میں بڑا خطرہ ہے۔

درجہ نمبر ۲:

سماع اختیار کرنے والا مریدین کے درجے سے آگے نکل گیا ہو اور حالات
ومقامات کو پیچھے چھوڑ گیا ہو اور انتہا کو پہنچ چکا ہو۔ جیسے اگر ماسوائے اللہ تعالیٰ کی طرف
نسبت کریں تو فنا اور نیستی کہتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو توحید اور
یگانگت کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے آدمی کا سماع معنیٰ سمجھنے کیلئے نہیں ہوتا۔ بلکہ
سماع کے ساتھ ہی فنا اور نیستی اور توحید و یگانگت اس کیلئے تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے
آپ سے بالکل غائب ہو جاتا ہے اور اس جہان سے بے خبر ہو جاتا ہے اور بسا اوقات
اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اگر آگ میں گر پڑے تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔

حکایت:

حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ حالت وجد میں گنے کے کٹے ہوئے کھیت میں
دوڑ پڑے۔ گنے کی جڑوں سے ان کے پاؤں بالکل کٹ گئے لیکن انہیں بالکل خبر نہ ہوئی۔

فائدہ:

یہ کامل ترین وجد کا نقشہ ہے لیکن مریدین کا وجد صفات بشریت کے ساتھ ہوتا
ہے اور وہ وجد یہ ہے کہ مرید کو اس کی ذات سے نکال لیا جاتا ہے۔ جس طرح وہ عورتیں

جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور وہ خود کو بھول گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

فائدہ:

کوئی بھی اس قسم کی نیستی اور فنا کا انکار نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں تو اسے
دیکھتا ہوں وہ نیست کیسے ہو گیا کیونکہ مرید وجد کی حالت میں وہ نہیں ہے جسے وہ دیکھتا
ہے کیونکہ ایک شخص جو مر جاتا ہے تو اس وقت بھی تو اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ
نیست ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت وہ لطیف معنیٰ ہے جو معرفت کا محل ہے جب تمام
چیزوں کی معرفت اور پہچان اس سے غائب ہو گئی تو سب چیزیں اس کے حق میں
نیست اور فنا ہو گئیں۔ اور جب وہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا تو خود اپنی ذات سے
بھی نیست اور فنا ہو گئیں اور جب اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو جو کچھ
فانی تھا وہ ختم ہو گیا اور جو باقی ہے وہی رہ گیا۔ یگانگت اور توحید کے یہی معنیٰ ہیں کہ جب
آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تو کہتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے اس حالت میں وہ
یہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی نہیں ہوں یا یوں کہتا ہے کہ بھی نہیں یا یوں کہتا ہے کہ میں خود
وہی ہوں۔ (جیسے حضرت منصور رحمۃ اللہ سے منقول ہے:

من نہ می گویم انا الحق
یا ری گوید بگوتہ

ردو ہابیہ:

ایک گروہ جیسے (وہابیہ) یہاں غلطی میں مبتلا ہوا اور اس نیستی اور فنا کو حلول
سے تعبیر کیا یعنی کہ بندہ اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور اس کی مثال ایسے
ہے کہ جیسے کسی آدمی نے پہلے کبھی آئینہ نہ دیکھا ہو اور اب آئینہ سامنے رکھ کر اپنی صورت
اس میں دیکھے تو خیال کرے کہ میں خود ہی آئینے میں گھس آیا ہوں کہ یہ صورت خود آئینے

کی صورت ہے کیونکہ آئینے کی صفت اور حالت یہ ہے کہ وہ سرخ وسفید ہوتا ہے تو اگر یہ خیال کرے کہ میں خود آئینے میں آگیا ہوں تو یہ حلول ہے اور اگر یہ سمجھے کہ آئینہ اس کی صورت بن گیا ہے تو اتحاد ہے اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں کیونکہ نہ تو وہ خود آئینے میں گھس آیا ہے اور نہ صورت آئینہ بن چکی ہے بلکہ صرف ایسا دکھائی دیتا ہے۔ جس شخص نے ان باطنی اسرار کو پوری طرح نہیں پہچانا وہی ایسا سمجھتا ہے۔ اس کتاب میں اس مضمون کو مفصلاً بیان کرنا بڑا مشکل ہے۔ کیونکہ یہ بڑا وسیع علم ہے۔ احیاء العلوم میں ہم نے اسے مفصل بیان کیا ہے۔

مقام نمبر ۲، حال:

اسے وجد بھی کہتے ہیں۔ وجد کے معنی کسی چیز کو پانا ہے۔ یعنی ایسی حالت کا پانا جو پہلے حاصل نہ تھی وجد کی حقیقت میں بہت کچھ کہا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اس لیے کہ وجد ایک نوعیت کا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بہت سے اقسام ہیں اور یہ دو طرح ہے۔

(۱) قبیلہ از احوال

(۲) از قسم مکاشفات

پہلی نوع از قبیلہ احوال:

سالک پر ایک ایسی صفت غالب آجائے جو اسے سست کر دے یہ صفت کئی طرح ہوتی ہے کبھی شوق کی صورت میں اور کبھی خوف یا آتش عشق کے لباس میں اور کبھی طلب اور کبھی غم کی صورت میں اور کبھی حسرت و افسوس کے رنگ میں اور اس کی بہت سی اقسام ہیں جب یہ آگ دل پر غلبہ کرتی ہے اور دل سے اس کا اثر دماغ تک پہنچتا ہے تو حواس پر بھی غالب آجاتی ہے یہاں تک کہ انسان نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ جس طرح جیسے سویا ہوا آدمی اور اگر وہ دیکھتا ہو تو اس حالت سے غائب اور

غافل ہوگا۔

دوسری نوع از قبیلہ مکاشفات:

اس میں سالک کو بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جنہیں صرف صوفیاء حضرات دیکھتے ہیں ان چیزوں میں سے بعض تو مثال کے لباس میں اور بعض صاف نظر آتی ہیں اور سماع کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل کو صاف کرتا ہے سماع سے قبل دل کا حال اس آئینے کی طرح ہوتا ہے جس پر گرد و غبار پڑا ہوا ہو اس گرد و غبار کو صاف کیا جائے تاکہ اس میں صاف صاف نظر آئے اور معنی اور مطلب کو الفاظ کے اندر صرف علمی طور قیاس اور مثالی رنگ میں ہی بیان کیا جاسکتا ہے اس کی صحیح طور پر حقیقت صرف وہی جان سکتا ہے جو اس مقام کو پاچکا ہو اس مقام کو حال کے طور پر پالینے کے بعد ہی اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے اس حقیقت کو اگر وہ دوسرے کے سامنے بھی بیان کرے گا تو محض قیاس اور اندازہ سے بیان کرے گا۔ ظاہر ہے جو چیز قیاسی ہوتی ہے وہ علم میں سے ہے ذوق میں سے نہیں۔

تاہم اس قدر تفصیل اس لیے بیان کر دی ہے تاکہ وہ لوگ جو ذوق کے طور پر اس حال تک پہنچے اس کی صداقت کو تسلیم کریں اور انکار نہ کریں اسلئے کہ اس کا انکار نقصان دہ ہے اور سب سے زیادہ بے وقوف وہ ہے جو یہ گمان کرے کہ جو کچھ اس کے خزانے میں نہیں بادشاہوں کے خزانے میں بھی نہیں اور اس سے بڑھ کر وہ زیادہ بے وقوف ہے جو اپنی مختصر پونجی کو دیکھ کر اپنے آپ کو بادشاہ تصور کرلے اور کہنا شروع کردے کہ سب کچھ میرے پاس ہے اور سب کچھ مجھے حاصل ہو چکا ہے اور جو کچھ میرے پاس نہیں اس کا وجود ہی نہیں اس دو طرح کی بے وقوفی کی وجہ سے عام انسان انکار و حقائق کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

تواجد:

وجد تکلف و بناوٹ سے بھی ہوتا ہے ایسا وجد عین نفاق ہے۔ ہاں اگر وجد کے اسباب اپنے اندر تکلف سے پیدا کرے اس امید پر کہ حقیقت وجد نصیب ہو جائے تو یہ نفاق نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جب قرآن مجید سنو تو روؤ اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رونا لاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب دل میں تکلفاً بھی تم حُزن کے اسباب پیدا کرو گے تو اس کا بھی اثر ہو جائے گا چہ جائے کہ حقیقت میں واقع ہو۔

ازالۂ وہم:

جب ان حضرات کا سماع حق ہے اور صرف حق کیلئے ہے۔ جو دعوت (مجلس سماع) میں قرآن خوانی کرنے والے حضرات کو بٹھایا جاتا اور وہ لوگ قرآن پڑھتے نہ کہ قوالوں کو بلایا جائے تا کہ وہ گانا گائیں اس لیے کہ قرآن حق ہے اور سماع اس سے کہیں زیادہ کم درجہ ہے سماع آیاتِ قرآنی سے بہت ہوتا ہے اور آیات کو سن کر وجد بھی بکثرت آتا ہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم سنتے سنتے بیہوش ہو جاتے ہیں اور اکثر لوگوں نے اس حالت میں جان بھی دے دی ہے ایسے واقعات کو بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے ہم نے ایسے واقعات کتاب "احیاء العلوم" میں بیان کر دیئے ہیں۔ ہاں قوال کے بجائے کسی قاری کو نہ بلانا اور قرآن شریف کے بدلے غزلیں گانا اس کے پانچ اسباب ہیں:

سبب نمبر ا:

تمام آیات قرآنی عشق کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں قرآن میں محبت کی باتیں نہیں ہوتی ہیں اس لیے کہ قرآن میں کافروں کے قصے، اہل دنیا کے

معاملات کے احکام اکثر ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے امور بیان کیے گئے ہیں اس لیے کہ قرآن حکیم تمام قسم کے لوگوں کے درد کا مداوا ہے۔ اگر قاری مثلاً یہ آیت ۲ ترجمہ پیش کر دیا ہے پڑھے۔ میراث میں ماں کا سدس 1/6 حصہ ہے اور بہن کا نصف 1/2 ہے یا یہ آیت پڑھے کہ چار ماہ دس دن عدت کے ہیں یا اس قسم کی دوسری آیات تو ان آیتوں سے آتش عشق تیز نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس شخص کے جس کا عشق منتہائے کمال کو پہنچا ہوا اگر چہ اس کیلئے بھی یہ احکام اس کے مقصود سے بہت بعد رکھتے ہیں اور یہ بہت ہی شاذ و نادر ہے۔

سبب نمبر ۲:

قرآن حکیم اکثر کو یاد ہوتا ہے اور بہت لوگ پڑھتے ہیں اور جس بات کو بہت کثرت سے سنا جاتا ہے اکثر حالات میں وہ دل میں ذوق و آگاہی پیدا نہیں کرتا۔ یہ اس کیلئے ہی وجد آفرین ہو سکتا ہے جس نے پہلی بار قرآن پاک سنا ہو لیکن نیا قرآن نہیں پڑھا جا سکتا۔

حدیث شریف:

حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں جب عرب کے لوگ حاضر ہوتے تھے اور تازہ تازہ (یعنی پہلی بار) قرآن شریف سنتے تھے تو رونے لگتے تھے اور ان پر وجد و کیف طاری ہو جاتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ پہلے ہم بھی تمہاری طرح تھے (کہ قرآن حکیم سن کر ہم پر گریہ و زاری طاری ہو جاتی تھی) لیکن پھر ہمارے دل سخت ہو گئے اور فرمایا:

کنا کما کُنتُم ثُمَّ قست قلوبنا۔

کہ اب ہم قرآنِ حکیم سننے کے عادی ہو چکے ہیں اب اس کی سماعت سے

ہمارے دل سخت ہو گئے۔

یعنی اب ہم قرآن سن سن کر اسکے خوگر ہو چکے ہیں بہر حال جو چیز تازہ ہوتی ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ حاجیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حج سے فراغت پا کر اپنے اپنے گھر کو لوٹ جاؤ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو کعبۃ اللہ کی عظمت ان کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔

سبب نمبر ۳:

بہت سے قلوب ایسے ہیں کہ جب تک انہیں کسی لحن یا راگ سے حرکت نہ دی جائے وہ حرکت نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ سماع سننے والے سماع میں جو بات کہی جا رہی ہے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ تمام تر توجہ راگ یا اچھی آواز کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح ہر طرزِ ادا، ہر راگ اور ہر لے اور لحن کا دوسرا اثر ہی مرتب ہوتا ہے اور قرآنِ حکیم کو راگ راگنی کی صورت میں نہیں پڑھا جا سکتا کہ پڑھیں اور تالیاں بجائیں یا اس میں کسی قسم کا تصرف کریں اور جب یہ قرآن بغیر الحان کے ہوگا تو صرف سخن الٰہی رہ جائے گا اس وقت وہ دہکتی آگ نہیں ہوتا جو جلائے (بلکہ وہ تو رحمت ہی رحمت ہے)

سبب نمبر ۴:

الحان میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دوسری آواز میں سے اس کو تقویت پہنچائی جائے تا کہ زبان سے زیادہ اثر کرے یعنی قوال کی آواز کے ساتھ بانسری، طبلہ، دف اور شاہین کی آوازیں بھی شامل ہوں تا کہ اثر زیادہ ہو اور یہ صورت ہزل کی ہے اور قرآنِ حکیم تو اس کی بالکل ضد ہے اس کی قرأت میں ان باتوں سے گریز کرنا چاہیے۔ جو عوام کی نظر میں ہزل ہو۔

حدیث شریف:

سرورِ کونین ﷺ نے کنیزوں سے فرمایا کہ میری ثناء پر مبنی اشعار مت پڑھو بلکہ جو کچھ تم گا رہی تھی وہی پڑھو کہ ثناء کا مقدس مقام اور ہے اور ان کو دف پر گانا جو ہزل کی صورت ہے مناسب نہیں ہے۔

سبب نمبر ۵:

یہ محض ایک مخصوص حالت ہوتی ہے۔ جس کا وہ حریص ہوتا ہے اور جس شعر کو وہ اپنے مناسب حال پاتا ہے اس کو سنتا پڑھتا ہے اور اگر وہ اس کے موافق حال نہیں ہوتا تو اس سے کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتا ہے پھر ہو سکتا ہے کہ وہ کہہ اُٹھے کہ یہ مت پڑھو اور دوسرا شعر پڑھو قرآن پاک کے سلسلہ میں ایسی بات نہیں کہی جا سکتی کہ یہ آیت مت پڑھو اور دوسری پڑھو اور ممکن ہے کہ وہ آیت اس کے مناسب حال نہ ہو اور اس کو ناگوار ہو کہ قرآنِ پاک کی ہر آیت ہر ایک کے مناسب حال نہیں ہے اور نہ وہ اس طرح نازل ہوتی ہے۔ شعر کی صورت میں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس سے وہی مراد لے جس جذبہ کے تحت شاعر نے کہا ہے لیکن قرآنِ پاک کے سلسلہ میں ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اس سے معنی مراد لے۔

مقام نمبر ۳:

سماع میں حرکت رقص اور جامہ دری ہوتی ہے اس سلسلہ میں جو چیز اس سماع سے مغلوب ہو جاتی ہے اور اضطرابی طور پر اس سے سرزد ہوتی ہے تو اس سلسلہ میں اس سے باز پرس نہیں ہوگی البتہ اشیاء کے ساتھ ارادہ کے طور پر جو کچھ کرے گا کہ لوگ اس کی حرکات کو دیکھیں اور سمجھیں کہ وہ صاحب حال ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اور

ایسی حرکت، رقص یا جامہ دری حرام ہے بلکہ قطعی طور نفاق ہے شیخ ابوالقاسم نصر آبادی فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا سماع میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کی غیبت میں مشغول ہوں۔ شیخ ابوعمرو ابن نجد کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر تیس (۳۰) سال تک غیبت میں مصروف رہے تب بھی وہ اس شخص کی طرح گنہگار نہیں ہے جو سماع میں ایسی حالت کا اظہار کرے جو بناوٹی ہو پس سب سے زیادہ مناسب اور عمدہ بات یہ ہے کہ سماع میں مشغول ہو اور خاموش بیٹھا رہے کہ وہ اس کے احوال ظاہری کے مطابق ہوگا۔

فائدہ:

سماع کے سامع میں اتنی قوت ہونی چاہیے کہ دورانِ سماع میں وہ خود پر قابو رکھے کہ حرکت کرنا اور رونا بھی کمزوری کی علامت ہے لیکن ایسی قوت اور ایسا قابو پانا بہت کم ہوتا ہے۔ پس وہ بات جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قول میں ظاہر فرمائی کہ ہم بھی پہلے تم لوگوں کی طرح (رقیق القب) تھے پھر ہمارے دل سخت ہو گئے یعنی اب دلوں میں طاقت آگئی۔ یعنی جسم میں اتنی قوت آگئی ہے کہ ہم خود کو قابو میں رکھ سکیں گے۔ پس جو شخص اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا اس کو چاہیے کہ جب تک ضرورت نہ آئے وہ اپنی نگہداری کرے۔

حکایت:

ایک نوجوان حضرتؒ جنید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب وہ سماع میں مشغول ہوا اس نے ایک نعرہ مارا حضرت جنید نے فرمایا کہ اگر اب تم نے ایسا کیا تو ہماری صحبت کے قابل نہیں رہو گے۔ پھر اس نے صبر کیا اور کیفیت سماع کو برداشت کرتا رہا۔ اس کو اس کام کیلئے بہت کوشش کرنی پڑی ہے بالآخر کار ایک دن

وہ بہت صبر کرتا رہا لیکن زیادہ ضبط نہیں کر سکا اور اس نے ایک نعرہ مارا اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

فائدہ:

اگر کوئی شخص اپنی حالت کا اظہار نہیں کر رہا اور وہ رقص کرنے لگے یا تکلف اور تصنع کے بغیر رونے لگے تو اس کیلئے ایسا کرنا روا ہے۔ یعنی رقص مباح ہے مثلاً چند حبشی مسجد میں رقص کر رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا رقص دیکھا تھا۔

جائز رقص کا ثبوت

1. جب رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو یہ سن کر آپ خوشی سے رقص کرنے لگے اور کئی مرتبہ زمین پر پاؤں مارا۔
2. جب حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے جعفر! تم خَلق اور خُلق میں میری طرح ہو یہ سن کر انہوں نے رقص کیا تھا۔
3. حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے بھائی اور میرے مولا ہو تو وہ بھی خوشی سے رقص کرنے لگے تھے۔

فائدہ:

جو شخص ایسے رقص کو کسی خوشی کی وجہ سے حرام کہتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

مسئلہ:

اگر رقص محض لہو بازی کے طور پر ہو تو وہ حرام ہے کہ لہو بازی بجائے خود حرام ہے۔

مسئلہ:

اگر کوئی اس لیے رقص کر رہا ہے کہ اس کے دل میں جو حالت پیدا ہوئی ہے وہ زیادہ قوی ہو جائے تو ایسا رقص محمود ہے۔

مسئلہ:

رقص اختیاری طور پر نہیں کرنا چاہیے۔ کہ یہ حال کا ضیاع ہے۔ ہاں اگر یہ کیفیت سے مغلوب ہو جائے تو روا ہے۔ اگرچہ رقص اختیار ہی سے بھی ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ اس اختیار میں اضطرار ہو اور اضطرار اس طرح غالب آجائے کہ کپڑے نہ پھاڑنا چاہے پھر بھی پھاڑ ڈالے جیسے بیمار کا کراہنا اگرچہ اختیاری ہے لیکن اگر کراہنا نہ چاہے تب بھی کراہتا ہے ورنہ جو کچھ ارادہ اور مقصد سے ہوتا ہے تو ہر وقت اس کو ترک کر سکتا ہے، جب کوئی اس طرح مغلوب ہو جائے تو اس سے مواخذہ نہیں ہے۔

سوال:

جس طرح صوفی حضرات رقص کرتے ہیں اور کپڑوں کے ٹکڑوں کو تقسیم کر دیتے ہیں اس پر ایک طبقہ نے اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

جواب:

یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کہ لوگ تو ٹاٹ کو بھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتے پیراہن دری تو بڑی بات ہے پس اگر وہ بیکار نہیں پھاڑتے اور پھاڑ کر ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ ایک مقصد کے تحت پارہ پارہ کرتے ہیں تو ایسا کرنا روا ہے اس طرح جب لباس کے پارے کو مزید دو دو تین تین ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں تو غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو یہ ٹکڑے مل جائیں اور اس سے وہ اپنا سجادہ یا گدڑی تیار کر لیں تو ایسا کرنا روا ہے کہ کوئی شخص روئی کے لباس کو سو ٹکڑے کر ڈالے اور سو درویشوں میں انہیں تقسیم کر دے تو ایسا کرنا مباح ہے اس لیے کہ وہ ہر پارہ کام میں آئے گا۔

آدابِ سماع:

سماع میں تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) زمان۔ (۲) مکان۔ (۳) اخوان یعنی محفل۔ سماع کے سامعین۔

زمان:

سے مراد یہ ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہر وقت سماع ہی میں مشغول رہیں یا ایسے وقت میں مشغول ہوں جو نماز کا وقت ہو یا کھانے کے وقت سماع کیا جائے جب دل پریشان اور پراگندہ ہو تو سماع میں مشغول ہو جائیں ایسا سماع بے فائدہ ہے۔

مکان:

سے مراد یہ ہے کہ کوئی راہ گزر ہو یا ناپسندیدہ اور تاریک جگہ ہو یا کسی ایسے بے رحم شخص کا مکان ہو جو ہر وقت غیظ و غضب میں رہتا ہو تو ایسی جگہیں سماع کیلئے مناسب نہیں ہیں۔

اخوان:

سے مراد یہ ہے کہ سماع کی محفل میں جو بھی حاضر ہو وہ سماع کا اہل ہو جب متکبر مغرور دنیادار اس محفل میں موجود ہوگا تو وہ افترا پردازی کے ساتھ انکار کرے گا یا ایسا بناوٹی شخص موجود ہو جو بناوٹی حال اور رقص کرتا ہے تو ایسا شخص بھی اس محفل کیلئے مناسب نہیں ہے غفلت پسند ایسے لوگ موجود ہوں جو ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف ہوں یعنی باوقار لوگ نہ ہوں (تو یہ بھی سماع کے اہل نہیں ہے) یا ایسے لوگ ہوں جو عورتوں کو تانکتے جھانکتے ہوں یا نوجوان لوگ محفل میں ہوں اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے خیال میں مگن ہوں تو ایسا سماع بے کار ہے۔

اسی لحاظ سے حضرت شیخ جُنید قدس سرہ نے سماع میں جو زمان و مکان اور اخوان کی شرط رکھی ہے وہ اسی وجہ سے رکھی ہے۔ سماع کیلئے ایسی جگہ بیٹھنا کہ جوان عورتوں کا نظارہ ہو سکے یا جوان مرد (بے ریش) شامل ہوں اور ایسے اہلِ غفلت ہوں جن پر شہوت کا غلبہ ہو تو ایسے وقت اور ایسی حالت میں سماع حرام ہے کہ ایسے موقع پر دونوں طرف سے آتش شہوت بھڑک اٹھتی ہے ایسے لوگ شہوت کی نظر سے دوسروں پر نظر ڈالنے لگتے ہیں (عورتیں جوان مردوں کو اور جوان مرد جوان عورتوں کو دیکھتے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سے دل پھنسا ہو اور اس غم سے بہت سے فتنہ و فساد برپا ہوتے ہیں تو ایسا سماع کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

فائدہ:

جب سماع کے اہل حضرات موجود ہوں اور وہ سماع کی مجلس میں بیٹھیں تو ادب یہ ہے کہ سب لوگ سر جھکا کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں نہ ہاتھ ہلائیں نہ سر کو جنبش دیں بلکہ اس طرح بیٹھیں جیسے نماز کے تشہد میں بیٹھتے ہیں اور سب کے دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں اور اس بات کے منتظر ہوں کہ غیب سے اس سماع کی بدولت کیا ظاہر ہوتا ہے۔ تمام اہلِ محفل خوب نگہداشت کریں اختیاری طور پر سماع کے دوران کھڑے نہ ہو جائیں اور جنبش نہ کریں البتہ اگر کوئی شخص غلبۂ شوق سے سماع میں کھڑا ہو جائے تو پھر سب اس کی موافقت کر کے کھڑے ہو جائیں اگر اس حال میں اسکی دستار گر جائے تو سب لوگ اپنے عمامے اتار کر رکھ دیں یہ صورت حال اگرچہ بدعت ہے اور صحابہ کرام یا تابعین حضرات (رضی اللہ عنہم) نے ایسا نہیں کیا لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو امر بدعت ہے اس کو نہ کیا جائے کہ بہت سی بدعتیں ایسی ہیں جو نیک اور خوب ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تراویح کی جماعت حضرت عمرؓ کی

وضع کردہ ہے پس یہ بدعت حسنہ ہے۔ ۲۔بدعت سیئہ یا بدعت مذمومہ وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو جبکہ حسن خُلق اور دوسروں کے دلوں کو خوش کرنا شریعت میں محمود اور پسندیدہ ہے۔ ہر قوم کی ایک مخصوص عادت یا ان کا رواج ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ان لوگوں کے اخلاق میں بدخوئی سمجھا جاتا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ہر شخص کے ساتھ اس کی عادت اور خو کے مطابق زندگی بسر کرو۔ جبکہ اصحاب سماع اس موافقت سے خوش ہوتے ہیں اور اس کی مخالفت سے ان کو وحشت اور پریشانی ہوتی ہے تو پھر ان کی موافقت کرنا سنت پر گامزن ہونا ہے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کیلئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی لیکن جہاں یہ دیکھا جائے کہ نہ اٹھنے سے لوگوں کو وحشت و ناگواری ہوگی تو ان کی خاطر اٹھنا زیادہ بہتر ہے کہ عربوں کی عادت اور ہے اور عجمیوں کی عادت اور ہے۔

(ماخوذ: کیمیائے سعادت مترجم از امام غزالی ناشر زاویہ پبلشرز، لاہور)

❁ ❁ ❁

سماع کے متعلق مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب

ماخوذ: مکتوباتِ مجدد: مکتوب نمبر ۲۸۵ مترجم جلد دوم

میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا:

(سماع، وجد، رقص اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے تعلق رکھتے ہیں۔)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔''

اے برادر، تو اس بات کو جان "ارشدك الله تعالیٰ طريق السداد والهمك صراط الرشاد" کہ سماع اور وجد اس جماعت کے لیے نفع مند ہے جو احوال کے تغیر سے متصف اور اوقات کے تبدل کے ساتھ داغدار ہے جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہوتی ہے۔ نیز ایک وقت میں اپنے مقصود کو پانے والے او دوسرے وقت میں اسے گم کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اربابِ قلوب میں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ احوال کا تغیر و تبدل ان کا نقد وقت ہے اور امیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ دائمی حال کا نصیب ہونا ان کے لیے محال ہے، اور وقت کا ایک ہی کیفیت پر قائم رہنا ان کے حق میں ممتنع ہے۔ ایک وقت حالت قبض میں ہوتے ہیں اور دوسرے وقت بسط

ہیں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور اس کے مغلوب ہیں۔ ان کو کبھی تو عروج نصیب ہوتا ہے اور کبھی نیچے اُتر آتے ہیں۔

(اس کے برعکس) تجلیات ذاتیہ والے نے جو مقام قلب سے مکمل طور پر باہر آچکے ہیں اور مقلب قلب (اللہ تعالیٰ) سے پیوستہ ہو چکے ہیں اور کلیۃً احوال کی غلامی سے نکل کر احوال میں تبدیلی پیدا کرنے والے (رب تعالیٰ) کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں، سماع اور وجد کے محتاج نہیں۔ کیونکہ ان کا وقت اور حال دائمی ہے۔ بلکہ ان کے لیے کچھ وقت اور حال نہیں۔ تو یہ لوگ ابوالوقت اور اصحاب تمکین ہیں اور یہی واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں۔ اور نہ ان سے ان کا مقصود گم ہو سکتا ہے اور جب عدم یافت ان کے لیے متصور نہیں تو یافت اور وجد بھی ان کے لیے نہیں۔

ہاں منتہی لوگوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ استمرار وقت کے باوجود سماع ان کے لیے نافع ہے اس کا مفصل بیان اس مکتوب کے آخر پر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

کوئی اگر یہ سوال کرے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَّا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔

ترجمہ: "میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں۔"

اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا۔ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں بعض مشائخ نے یہ معنی بیان کیے ہیں:

اَیْ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ مُّسْتَمِرٌّ۔

ترجمہ: "مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایسا وقت نصیب رہتا ہے۔"

اگر حدیث کا مطلب یہ ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں۔

دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اس وقت مستمر میں کسی وقت کوئی خاص کیفیت میسر آتی ہو، اور وقت سے وہ نادر وقت مراد ہو۔ اس صورت میں بھی اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کریں ممکن ہے کہ اس کیفیت کے حاصل کرنے میں سریلی آواز سننے کا بھی دخل ہو۔ لہٰذا منتہی بھی اس کیفیت کے حصول کے لیے سماع کا محتاج ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ اس کیفیت کا حصول غالباً ادائے نماز کے وقت ہوتا تھا۔ اور بیرونِ نماز کسی وقت اس کیفیت کا حصول ہوتا ہو تو وہ بھی نماز کے نتائج و ثمرات سے ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث "قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ" (یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کیفیت نادرہ کی طرف اشارہ ہو۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی

ترجمہ: "بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

ترجمہ: "سجدہ کر اور (اپنے رب کے) قریب ہو جا۔"

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ تمام اوقات جن میں قرب الٰہی جل شانہ زیادہ ہوگا غیر حق کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوگی۔ پس اس حدیث اور مذکورہ آیہ کریمہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز ہی ہے۔ استمرار وقت اور دوام وصل کی دلیل مشائخ کرام کا اتفاق و اجماع ہے چنانچہ حضرت ذوالنون مصری ؒ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی سے واپس لوٹا اور جس کو وصل
نصیب ہو گیا وہ واپس لوٹنے سے محفوظ و مامون ہے۔"

اور "یاد داشت" جو جناب قدس خداوندی جل سلطانہ میں دوام حضور سے عبارت ہے۔ طریقہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں ایک مقرر اور طے شدہ امر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دوام وقت کا انکار عدم وصول کی علامت ہے۔ مشائخ کرام کی ایک چھوٹی سی جماعت جیسے ابن عطا اور ان کی طرح کے لوگ جو واصل کے لیے صفات بشریت کی طرف رجوع جائز فرماتے ہیں اور ان کی اس بات سے عدم دوام وقت مفہوم ہوتا ہے، جواز رجوع میں اختلاف کرتے ہیں وقوع میں وہ بھی اختلاف نہیں کرتے۔ کیونکہ واصل کے لیے رجوع کا وقت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارباب طریقت پر مخفی نہیں۔ پس عدم رجوع پر مشائخ کرام کا اجماع و اتفاق ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض کا اختلاف صرف جواز رجوع میں ہے نہ اس کے وقوع میں...... اس مضمون کو ذہن میں رکھو۔

ارباب طریقت کے منتہی لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جنہیں درجات کمال اور مشاہدہ جمال لایزال کے وصول کے بعد زور کی سردی لاحق ہوتی ہے اور مکمل تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو انہیں منازل وصول تک عروج سے روک لیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابھی منازل وصول اور طے کرنے ہوتے ہیں اور ان کے مدارجِ قرب ابھی تک حد نہایت تک نہیں پہنچے ہوتے۔ اس کے باوجود عروج کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور مطلوب کے کمال قریب کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس صورت میں ان کے لیے سماع مفید اور حرارت بخش ہوتا ہے۔ تو ایسے حضرات کو ہر وقت سماع کی مدد سے منازل قرب تک عروج میسر آتا ہے۔ تسکین حاصل ہونے کے بعد ان منازل سے نیچے آتے ہیں۔ لیکن ان مقامات عروج کا رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ سے رنگین

ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی یہ یافت عدم یافت کے بعد نہیں ہوتی۔ کیونکہ عدم یافت ان کے حق میں مفقود ہے۔ بلکہ دوام وصل کے ہوتے ہوئے یہ وجد اور یافت منازل قرب تک ترقی کے لیے ہوتی ہے۔ منتہی اور واصل لوگوں کا سماع اسی جنس سے ہے۔ ان لوگوں کو سماع کی ضرورت اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ فنا اور بقا کے بعد اگرچہ انہیں جذبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی طبیعت کا شدید طور پر سرد ہو جانا جذبے پر غالب آجاتا ہے اور منازل عروج تک ترقیات کے لیے تنہا جذبہ کفایت نہیں کرتا تو سماع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا ایک اور گروہ ہے جن کے نفوس درجہ ولایت تک وصول کے بعد مقام، بندگی میں اتر آتے ہیں۔ ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر اپنے مقام اصلی میں جناب قدس کی طرف متوجہ رہتی ہیں۔ انہیں ہر وقت نفس مطمئنہ کے مقام میں جو مقام بندگی میں قرار پذیر اور راسخ ہو چکا ہوتا ہے روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے۔ روح کو اس امداد کے ذریعے اپنے مطلوب کے ساتھ مناسبت خاصہ پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں کو عبادات میں آرام نصیب ہوتا ہے اور حقوق بندگی اور طاعات کے ادا کرنے میں تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے۔ اور ان کے باطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق بھی قلیل ہوتا ہے۔ ابھی ان کی پیشانی متابعت شریعت سے روشن ہوتی ہے۔ اور اتباع سنت کے سرمہ سے ان کا دیدۂ بصیرت سرمگیں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حضرات تیز نظر ہوتے ہیں اور دور سے وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جسے نزدیک والے دیکھنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ عروج کم رکھتے ہیں لیکن نورانی ضرور ہوتے ہیں اور اپنے تمام بندگی میں ہوتے ہوئے نور اصل سے منور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس مذکورہ مقام میں ہوتے ہوئے عظیم شان رکھتے ہیں۔ اور اونچی قدر کے مالک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو

سماع اور وجد کی کوئی حاجت نہیں۔عبادات ہی ان کے لیے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کر جاتی ہے۔

اہلِ سماع اور وجد کے مقلدین کی جماعت جو ان بزرگوں کی عظمت شان سے ناواقف ہے، اپنے آپ کو زمرہ عشاق میں تصور کرتی ہے اور ان بزرگوں کو خشک زاہد۔گویا یہ جامد مقلدین عشق ومحبت کو رقص و وجد میں منحصر جانتے ہیں۔(حالانکہ حقیقتِ حال اس کے خلاف ہے)

منتہی اربابِ طریقت کا ایک اور گروہ ہے جس کو سیر الی اللہ اور بقا باللہ کے واسطے طے کرنے کے بعد جذبہ قوی عنایت فرمایا جاتا ہے، اور کارکنانِ قضا و قدر انجذاب کی کنڈی سے قرب ووصال تک کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔اس گروہ میں سردی سرایت اور تاثیر نہیں کرسکتی۔اور ان کے لیے تسلی ناروا ہے۔یہ حضرات اپنے عروج میں نادر امور تیار کرنے کے محتاج نہیں۔سماع اور رقص کا ان کی خلوت کے تنگ کوچہ میں گزر نہیں ہوسکتا۔اور وجود تواجد کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔یہ حضرات ممکن الوصول مرتبہ نہایۃ النہایت تک اس عروج انجذابی کے ذریعے پہنچتے ہیں اور حضور سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت کے وسیلہ سے اس مقام سے جو حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوۃ والتحیۃ کے ساتھ مخصوص ہے کچھ حصہ پا لیتے ہیں۔وصول کی یہ قسم طائفہ افراد کے ساتھ مخصوص ہے اقطاب بھی اس مقام سے حصہ نہیں پاسکتے۔

اگر محض فضل ایزدی جل سلطانہ سے اس نہایۃ النہایت تک پہنچنے والے گروہ کو دعوت کے لیے عالم طرف واپس لائیں اور طالبانِ حق کی تربیت ان کے حوالہ کریں تو ان کا نفس مقام بندگی میں نیچے اتر آتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جناب مقدس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔یہی گروہ ہے جو کمالات فردیت کا جامع اور تکمیلات قطبیت پر حاوی ہے۔یہاں قطب سے میری مراد قطب ارشاد، قطب

اوتاد نہیں۔مقاماتِ ظلی کے علوم اور مدارج اصلی کے معارف اس کو میسر ہیں۔بلکہ جہاں وہ ہے وہاں نہ ظل ہے اور نہ اصل۔ظل اور اصل سے اسے آگے گزار کے لے گئے ہیں۔اس طرح کے کامل و مکمل نہایت قلیل الوجود ہیں۔اگر مدتہائے دراز اور نظر امراض قلبیہ کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ اخلاق رویہ اور ناپسندیدہ کو دفع کرتی ہے۔یہی وہ ہستی ہے جو مدارج عروج کو مکمل کر کے نیچے مقام بندگی میں اُتر آئی ہے۔اور عبادات کے ساتھ اس نے اور آرام پکڑا ہے۔

مقام عبدیت سے کہ مقام ولایت میں اس سے اوپر کوئی مقام نہیں اس گروہ میں سے بعض کو منتخب کر کے اس مقام سے مشرف کرتے ہیں۔اور مرتبہ محبوبیت کے لائق بھی یہی لوگ ہیں۔تمام کمالات کا جامع تر مرتبہ ولایت ہے اور تمام مقامات پر حاوی درجہ دعوت ہے۔جو مرتبہ ولایت خاصہ اور نبوت سے بہرہ ور ہے۔خلاصہ یہ کہ اس پر یہ مصرع صادق آتا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: "جو کمالات سارے حسین الگ الگ رکھتے ہیں تو اکیلا ان سب کا جامع ہے۔"

معلوم ہونا چاہیے کہ مبتدی کے لیے سماع اور وجد مضر ہے اور عروج کے منافی ہے، اگرچہ شرائط سماع کے مطابق ہو۔سماع کی شرائط کا کچھ بیان اس مکتوب کے آخر میں ان شاء اللہ تحریر کیا جائے گا۔مبتدی کا وجد بیماری کا شکار ہے اور اس کا حال وبال ہے۔اس کی حرکت طبعی ہوتی ہے اور خواہش نفسانی سے مخلوط ہوتی ہے اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو اربابِ قلوب میں سے نہ ہو اور اربابِ قلوب منتہی اور مبتدی لوگوں کے درمیانی مقام میں ہیں اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔یہی واصل کامل ہوتا ہے اور انتہا کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے

اوپر ہیں اور وصول کے اس قدر مراتب ہیں جو ابدالآباد تک طے نہیں ہوسکتے ۔خلاصہ
کلام یہ ہے کہ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے ایک طبقے کے لیے نفع مند ہے۔
جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ تمام اربابِ قلوب (متوسط) حضرات کے لیے سماع مفید
نہیں ۔بلکہ ان میں سے بھی صرف ان لوگوں کے لیے نفع مند ہے جو دولت جذبہ سے
مشرف نہیں اور ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے ذریعہ قطع مسافت کرنا چاہتے ہیں۔
سماع اور وجد اس صورت میں ان لوگوں کے لیے ممد و معاون ہے اور اگر ارباب
قلوب صاحب جذبہ ہوں تو ان کا سلوک کے راستوں کو طے کرنا جذبہ کی مدد سے ہوتا
ہے ۔سماع کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جن کے لیے سماع نفع مند ہے وہ بھی شرائط کے
ساتھ مشروط ہے ۔مطلقاً نفع مند نہیں ۔شرائط کے بغیر سماع نقصان دہ چیز ہے۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اپنے کامل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔
اور اگر وہ اپنے کامل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو ترقی سے رکا رہے گا۔ ہاں اس شخص کو بھی
سماع کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا ہے ۔لیکن تسکین اور اطمینان کے بعد اس مقام سے پھر نیچے آ
جاتا ہے ۔اور سماع کی دوسری شرائط مستقیم الاحوال اکابر کی کتابوں مثلاً عوارف
المعارف وغیرہ میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

ان شرائط میں سے اکثر آج کل کے سماع سننے والوں میں مفقود ہیں ۔بلکہ
اس قسم کا سماع اور رقص جو اس وقت عام ہے اور اس قسم کا اجتماع جو آج کل مروج
ہے ،کوئی شک نہیں کہ یہ سراسر مضر اور تربیت باطنی کے بالکل منافی ہے ۔ایسے سماع
سے عروج کا خیال کرنا بالکل بے معنی ہے ۔اور اس صورت میں روحانی ترقی متصور
نہیں ہوسکتی ۔اس مقام میں سماع سے امداد و اعانت معدوم ہے ۔بلکہ اس کی جگہ ضرر

اور منافات موجود ہے۔

تنبیہ

سماع اور رقص اگرچہ بعض منتہی اربابِ طریقت کو بھی درکار ہوتا ہے، لیکن ان
حضرات کو ابھی مراتب عروج پر پیش ہوتے ہیں ۔اس لیے یہ اس لحاظ سے متوسط لوگوں
میں شمار ہوتے ہیں ۔اور جب تک ممکن الحصول مراتب عروج مکمل طور پر طے نہ کر
لیں، انتہا کی حقیقت ان سے مفقود ہوتی ہے ۔نہایت کہنا سیر الی اللہ کی نہایت کے
اعتبار سے ہے اور اس سیر کی نہایت اس اسم تک ہے جو اس سالک کا مظہر ہے ۔اس
کے بعد اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے اور جب اسم اور اس کے تمام
متعلقات جو ارباب طریقت پر منکشف ہوتے ہیں سے گزر کر مسمّٰی حقیقی تک پہنچتا ہے اور
وہاں فنا اور بقا سے موصوف ہوتا ہے ۔تو اس وقت منتہی حقیقی بنتا ہے اور فی الحقیقت سیر الی
اللہ کی نہایت اسی صورت میں متحقق ہوتی ہے ۔نہایت اول کو جو اسم کی نہایت تک ہے
اسے بھی نہایت سیر الی اللہ اعتبار کر لیتا ہیں ۔اور اس فنا اور بقا کے لحاظ سے جو اس مرتبہ
میں حاصل ہوتی ہے، اسم ولایت کا اطلاق کر دیتے ہیں ۔اور یہ جو صوفیہ نے کہا ہے کہ سیر
الی اللہ کی کوئی نہایت نہیں تو یہ سیر بقا میں ہے اور منازلِ عروج طے کرنے کے بعد
ہے اور سیر فی اللہ کی بے نہایتی کا یہ معنی ہے کہ اس اسم میں سیر واقع ہوتی ہے ۔اور اس
اسم میں مندرج تمام شیونات سے تفصیل کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، تو اس سیر کی
نہایت تک بالکل نہیں پہنچ سکتا ۔کیونکہ ہر اسم بے انتہا شیونات پر مشتمل ہوتا ہے ۔لیکن
وقت عروج میں (کارکنان قضاقدر) اگر چاہتے ہیں تو اس کو آگے گزار کر لے جانا جائے تو
زہے سعادت اور بزرگی ۔اور اگر مخلوق کی تربیت کے لیے اسے واپس لائیں تو زہے
فضیلت ۔یہ گمان نہ کرنا کہ اس اسم تک پہنچنا آسان کام ہے ۔جان کو ہلاک کرنا پڑتا ہے

تب جا کر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں...... دیکھئے، اربابِ طریقت کے گروہ سے کس صاحب نصیب کو اس اعلیٰ درجہ کی نعمت سے سرفراز کرتے ہیں۔

اور اے نارسیدہ سالک! جسے تو تنزیہ اور تقدیس خیال کرتا ہے وہ مقام روح سے بھی بہت نیچے ہوتے ہیں۔ وہ تنزیہ جو تیرے خیال میں فوق العرش معلوم ہوتی ہے وہ بھی دائرہ تشبیہ میں داخل ہے۔ اور وہ منزہ مکشوف عالم ارواح میں سے ہے۔ کیونکہ عرش تمام جہات کو محیط اور عالم اجسام کو منتہا ہے۔ عالم ارواح عالم جہات و اجسام وہم میں نہ ڈال دے کہ روح تجھ سے دور ہے اور تیرے اور روح کے درمیان مسافت دراز واقع ہے۔ حقیقت حال اس طرح نہیں، بلکہ روح کے لامکانی ہونے کے باوجود اسے تمام جگہوں سے نسبت برابر ہے۔ ماوراء عرش کہنے کے دوسرے معنی ہیں۔ جب تک تو وہاں نہ پہنچے اس معنی کا ادراک نہیں کرسکتا۔

صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہ روحی تک پہنچا ہے اور اس فوق العرش پایا ہے، اس تنزیہ کو تنزیہ الٰہی تصور کرلیا ہے۔ اور اس مقام کے علوم و معارف کے علوم دقیقہ قرار دیا ہے۔ اور استواء کے راز کو حواسی مقام حل کیا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ یہ تو روح کا نور ہے۔ اس فقیر کو بھی اس مقام کے حصول کے وقت اس قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب عنایت خداوندی جل سلطانہ نے اس گرداب سے آگے گزارا تو جان لیا کہ وہ نور روح کا نور ہے، نہ کہ نور الٰہی جل سلطانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ۔

ترجمہ: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اس راہ کی ہدایت نصیب فرمائی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاسکے۔"

اور روح چونکہ لامکانی شے ہے اور بے چونی و بے چگونی کی صورت پر پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس طرح کے اشتباہ کا محل بن جاتی ہے۔

واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہی احقاق حق فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔"

اور صوفیائے کرام کا وہ گروہ جو اس نور کو فوق العرش سے لے کر نیچے اترتا ہے اور اس سے بقا پیدا کرتا ہے، اپنے آپ کو تشبیہ اور تنزیہ کا جامع تصور کرتا ہے۔ اور اگر اس نور کو اپنے سے جدا پاتا ہے تو اسے مقام "فرق بعد الجمع" گمان کرتا ہے۔ اس طرح کے مغالطے صوفیہ کو بہت لاحق ہوتے ہیں۔ وہی سبحانہ تعالیٰ غلطیوں کے مقامات خبط کے مواقع سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ روح اگرچہ عالم کی نسبت بے چون ہے، لیکن حق جل و علا کی نسبت سے دائرہ چوں میں داخل ہے۔ تو یہ روح گویا عالم چوں اور جناب قدس خداوندی جو حقیقی بے چون ہے کہ درمیان برزخ ہے تو روح دونوں طرف کا رنگ رکھتی ہے، اور دونوں اعتبار اس میں صحیح ہیں۔ برعکس بے چون حقیقی کے کہ اس تک چون کو بو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ پس جب تک روح کے تمام مقامات سے عروج واقع نہ ہوں تب تک اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا پہلے تمام طبقات سماوات یہاں تک کہ عرش سے بھی گزرنا چاہیے۔ اور مکمل طور پر لوازم امکان سے باہر آنا چاہیے۔ اس کے بعد عالم ارواح کے مراتب لامکانیت بھی طے کرے، تب جا کر سالک اس اسم تک پہنچتا ہے۔

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

تو وہ سبحانہ تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اس عالم خلق سے اوپر عالم امر ہے۔ اور عالم سے اوپر اسماء اور شیونات کے مراتب ہیں۔ ناملاً اور اصالتہً اجمالاً اور تفصیلاً۔ اور ان مراتب ظلی و اصلی، کونی الٰہی اور اجمالی و تفصیلی سے اوپر مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا چاہیے۔ دیکھیے کس خوش نصیب کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحبِ دولت کو اس سعادت سے صرف فرماتے ہیں "ذٰلِكَ فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم" ہمت بلند رکھنی چاہیے اور جو کچھ راہ میں ہاتھ آجائے اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور وراء الوراء میں اپنا مطلوب تلاش کرنا چاہیے۔

کیف الوصول الی سعاد دونها
فلل الجبال و دونهن حيوف

تنبیہ آخر

دوام وصل اور استمرار وقت اس شخص کے لیے تسلیم کیا جا سکتا ہے جو فنائے مطلق کے بعد بقاباللہ کے ساتھ موصوف اور اس کا علم حصولی علم حضوری سے تبدیل ہو چکا ہو۔ ہم اس بحث کو زیادہ واضح اور روشن طریقہ سے بیان کرتے ہیں۔

جان لے کہ عالم کہ جو علم اپنی ذات کے سوا حاصل ہوتا ہے وہ عالم کے ذہن میں حصولِ صورت کے طریقہ سے ہوتا ہے اسے علم حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم حصولِ صورت کا محتاج نہیں ہوتا اور وہ عالم کی اپنی ذات کا علم ہے، یہ علم حضور ہے۔ کیونکہ اس میں ذات بنفسہا عالم کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔ اور علم حصولی میں جب تک معلوم کی صورت ذہن میں موجود رہتی ہے اس وقت تک عالم معلوم کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہوگئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی زائل ہو جاتی ہے پس علم حصولی میں دوام توجہ محال عادی ہے۔ بخلاف علم حضور کے کہ اس میں معلوم سے غفلت

غیر مقصود ہے۔ کیونکہ اس کے تحقق کا منشا عالم کی ذات کا حضور ہے۔ اور جب یہ حضور دائمی ہے تو ذات کا علم بھی دائمی ہوگا اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں۔ اور بقاباللہ کے مقام میں علم حضور ہوتا ہے جس کا زوال نہیں ہو سکتا۔

یہ گمان نہ کرنا کہ بقاباللہ اس امر سے عبارت ہے کہ تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عین پائے، جیسا کہ اس گروہ کے بعض لوگوں نے حق الیقین کی یہی تعبیر کی ہے۔ بات اس طرح نہیں۔ بقا باللہ جو فنائے مطلق کے بعد میسر آتی ہے اس قسم کے علوم سے مناسبت نہیں رکھتی ہے۔ یہ مذکورہ حق الیقین جو بعض نے کہا ہے اس بقا کے مناسب ہے جو جذبہ میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ بقا جو ہمارا مقصود ہے، اور ہے

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

پس استمرار توجہ اور دوام حضور بقاباللہ کی صورت میں موجود رہتی ہے۔ بقاباللہ کے ساتھ موصوف ہونے سے قبل دوام ممکن نہیں۔ اگرچہ بہت سے حضرت کو اس مقام میں پہنچنے سے پہلے اس معنی کا وہم ہوتا ہے۔ خاص کر طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہیں۔ اور حق بات وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے، اور درست وہی چیز ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے۔

و الیه تعالی اعلم بالصواب. والله تعالی المرجع والمناب. والحمد لله رب العالمین اولاً و اٰخرًا والصلوٰة والسلام علی رسوله دائمًا سرمدًا۔

(مکتوبات نمبر ۲۸۵ جلد دوم)

سماع اور اس کے اقسام وانواع

ماخوذ: کشف المحجوب	ترتیب وتدوین: محمد عبدالاحد قادری

ثبوت سماع:

اے عزیز! خدا آپ کو سعادت مند بنائے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ علم حاصل کرنے کے پانچ ذرائع ہیں جنہیں حواس خمسہ کہا جاتا ہے سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، انسان ہر قسم کا علم ان میں سے کسی ایک ذریعہ سے حاصل کر لیتا ہے مثلاً آوازوں کا علم قوت سماعت سے ہوتا ہے، دیکھنے کی صلاحیت آنکھ میں ہے، میٹھے کڑوے کا فرق زبان سے ہوتا ہے، اچھی بری بو کا پتہ ناک سے لگتا ہے اور کسی چیز کی سختی ونرمی، گرمی و سردی وغیرہ قوتِ حس یا لمس یعنی چھونے سے معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے قوتِ حس یا لمس پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے اور باقی حواس یا ذرائع خاص مقام سے متعلق ہیں کیونکہ انسان آنکھ کے بغیر دیکھ نہیں سکتا، کان کے علاوہ سن نہیں سکتا، زبان اور تالو کے سوا چکھ نہیں سکتا اور ناک نہ ہو تو سونگھ نہیں سکتا، کسی حد تک یہ کہنا جائز ہے کہ ہر ایک حس سارے جسم میں پھیلی ہوئی (جس طرح سانپ دیکھنے سے پورا جسم محتاط ہو جاتا ہے اور خوش الحانی سننے سے پورا جسم لطف اندوز ہوتا ہے) مگر معتزلہ کے نزدیک ہر ایک حس کا خاص مقام ہے تاہم قوتِ حس یا لمس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ یہ پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس طرح ایک قوت پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے تو دوسری بھی اسی طرح سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہو سکتی ہیں جیسا کہ اشارۃً پہلے ذکر کر دیا گیا ہے مگر

یہاں اس کی تفصیل مطلوب نہیں صرف تحقیق مقصود تھی۔ قوتِ سماعت کے علاوہ دیگر چار حواس یعنی نادراتِ عالم کو دیکھنا، خوشبو کو سونگھنا، عمدہ نعمتوں کو چکھنا اور نرم و گرم کو چھونا، عقل کے لئے رہنما بن سکتے ہیں اور یہ رہنمائی خدا کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ ان حواس کی بدولت عقل نے یہ معلوم کیا کہ مشاہدہ کرنے سے یہ عالم حادث معلوم ہوتا ہے خالق کائنات پر قدیم اور لامتناہی ہے جبکہ عالم حادث اور متناہی ہے نیز خالق پوری کائنات پر قادر ہے اور سب کائنات سے زیادہ طاقتور ہے وہ جسم و جان بنانے والا ہے مگر کائنات کی مثل جسم و جان رکھنے والا نہیں۔

چنانچہ ہر سو اس کی قدرت جاری ہے جو چاہے سو کرے، وہی ہے جس نے رسولوں کو صحیح اور سچی ہدایت دے کر کائنات کی رہنمائی کے لئے بھیجا۔ مگر ان رسولوں پر ایمان لانا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو اور رسول سے شرع و دین سے متعلق باتوں کو سن نہ لے کہ کون کون سی بات واجب (فرض) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک سننا دیکھنے سے زیادہ قابل ترجیح اور فضیلت والا ہے۔ اگر کوئی سطح بین یہ کہے کہ سننا تو صرف خبر کی حد تک ہے جبکہ دیکھنا دیدار اور نظارہ کا سبب ہے۔ (اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ) دیدار الٰہی کلام الٰہی سننے سے افضل ہے لہٰذا قوت بصارت کو سماعت پر افضل مانا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ سن کر ہی تو معلوم ہوا کہ جنت میں دیدارِ خدا نصیب ہوگا اور عقل کے ذریعہ دیدار کے جائز ہونے میں جو حجاب واقع ہوتا ہے وہ بھی قوت سماعت کو استعمال کرنے سے دور ہو جاتا کیونکہ عقل نے رسول کی خبر سننے سے تسلیم کر لیا کہ دیدار نصیب ہوگا (ورنہ ظاہری طور پر کوئی دلیل نہیں) اور آنکھوں سے حجاب دور ہو جائے گا تاکہ وہ خدا کو دیکھ لیں اس لحاظ سے سننا دیکھنے سے افضل ہے۔ علاوہ ازیں احکام شریعت کا انحصار بھی سننے پر ہے۔ کیونکہ سننا نہ ہو تو اثبات یا نفی نہیں ہو سکتی، انبیاء پیغامِ حق سناتے اور لوگ سن کر قبول

کرتے اوران کے فرمانبردار وجاں نثار بن جاتے، معجزہ دکھانے کے لئے بھی اس کی حقیقت بتائی جاتی ہے اور لوگ سن کر حقیقت دیکھنے کی تمنا کرتے۔ان دلائل کے باوجود اگر کوئی سننے یعنی سماع کی فضیلت سے انکار کرتا ہے تو اسرارِ شریعت اور حقائق کا انکار کرتا ہے اور سماع کے معاملہ میں وہ عمداً غفلت برتتا ہے اور اس کی حقیقت پوشیدہ رکھتا ہے۔اب میں سماع کے متعلق احکام وامور کو بیان کرتا ہوں۔

قرآن مجید کا سننا اور اس کے متعلقات

تمام سنی جانے والی باتوں سے زیادہ اہم، دل کے لئے مفید، ظاہر و باطن کے لئے باعثِ ترقی اور کانوں کے لئے لذیذ کلام الٰہی ہے، سب ایمانداروں کو اس کے سننے کا حکم دیا گیا اور جنوں، انسانوں کو بشمول کفار کلام الٰہی سننے کا مکلف بنایا گیا ہے۔قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ طبیعت اس کے سننے اور پڑھنے سے بے چین نہیں ہوتی کیونکہ اس میں بہت زیادہ رقت موجود ہے حتیٰ کہ کفارِ قریش رات کو چھپ کر حضور اکرم ﷺ کی نماز میں قرات وتلاوت شوق سے سنتے تھے اور قرآن کی لطافت ورقت پر حیران ہوتے تھے جن میں سے مشہور کفار یہ ہیں نضر بن حارث جو سب سے زیادہ فصیح تھا، عقبہ بن ربیع جو بلاغت کا جادو رکھتا تھا اور ابو جہل بن ہشام جو خطابت اور دلائل میں مانا ہوا شخص تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔

ایک رات حضور علیہ السلام کی تلاوت سن کر عقبہ بے ہوش ہوگیا اور بعد میں ابو جہل کو بتایا کہ یہ انسانی کلام معلوم نہیں ہوتا انسانوں اور جنوں نے گروہ در گروہ ہو کر رسول اکرم ﷺ سے قرآن سنا اور کہنے لگے کہ

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١ (الجن:۱)

ہم نے عجیب کلام پڑھتے ہوئے سنا (یہ جملہ انہوں نے واپس جا کر اپنے دوسرے جنوں کو سنایا) اس کی خبر بھی ہمیں قرآن نے دی اور بتایا کہ

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢ (الجن:۲)

یعنی یہ قرآن راہ راست اور ہدایت کی رہنمائی کرتا ہے لہٰذا ہم (سنکر) اس پر ایمان لائے اور (آئندہ) ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

چنانچہ قرآن کی نصیحت دوسری تمام نصیحتوں سے بہتر، اس کا ہر لفظ دوسرے تمام الفاظ سے واضح اس کا ہر حکم دوسرے احکامات سے لطیف، اس کا روکنا دوسری تمام رکاوٹوں سے زیادہ مناسب، اس کا وعدہ دیگر تمام وعدوں سے زیادہ دل کش، اس کی وعید (ڈانٹ) دوسری تمام وعیدوں سے زیادہ جامع اور جانگداز، اس کا ہر قصہ دوسرے تمام قصوں سے زیادہ موثر، اس کی مثالیں دوسری تمام مثالوں سے زیادہ سبق آموز جس کی وجہ سے ہزاروں جانیں اس پر قربان ہوئیں اور ہزاروں دل اس کے گرویدہ ہوئے۔ (اس کی عجیب خاصیت ہے) کہ دنیا کے عزت والوں کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا ہی کے دھتکارے ہوئے ذلیلوں کو باعزت بناتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر کو سن کر تلوار سونت کر سلسلہ اسلام کو ختم کرنے چلتے ہیں مگر جب بہن کے گھر پہنچ کر کلامِ الٰہی میں سے سورہ طٰہٰ کے اثر انگیز الفاظ:

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٣ (طٰہٰ:۱،۲)

یعنی یہ قرآن ہم نے آپ ﷺ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت وتکلیف میں پڑ جائیں یہ تو ڈرنے والوں کے لئے نصیحت اور یاد کرنے والوں کے لئے نصیحت

اور یاد دہانی ہے۔

اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ سنے تو آپ کی روح کو (کفر کی تاریکی میں) روشنی نظر آئی اور آپ کا دل قرآن کے لطیف حقائق سے مانوس ہو گیا، آپ صلح کے طریقے ڈھونڈنے لگے، لڑائی کا لباس اتار کر مخالفت سے موافقت کی طرف لوٹے اور اسلام قبول کر لیا (یہ صرف سننے، سماع کی برکت تھی)

مشہور ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ آیات پڑھی گئیں:

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۳﴾ (المزمل: ۱۲، ۱۳)

یعنی بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ﴿۸﴾ (الطور: ۷، ۸)

ترجمہ: "بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے جسے ٹالنے والا نہیں۔"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے اور ایک ماہ تک بیمار رہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی:

لَہُمۡ مِّنۡ جَہَنَّمَ مِہَادٌ وَّ مِنۡ فَوۡقِہِمۡ غَوَاشٍ ؕ (الاعراف: ۴۱)

ترجمہ: "ان کفار کے لئے دوزخ کی آگ بطور بچھونا اور اوڑھنا ہوگی۔"

تو وہ رونے لگ گئے اور اس قدر ساکت ہو گئے کہ ان کی موت کا اندیشہ ہوا، بعدہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ بیٹھ جائیے تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت

کی ہیبت سے میں بیٹھ نہیں سکتا۔ جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾ (الصف: ۲)

ترجمہ: "اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جس کے مطابق تم خود عمل نہیں کرتے۔"

تو آپ نے فرمایا کہ اے خدا!

اِنۡ قُلۡنَا، قُلۡنَا بِکَ وَاِنۡ فَعَلۡنَا، فَعَلۡنَا بِتَوۡفِیۡقِکَ فَاَیۡنَ لَنَا الۡقَوۡلُ وَالۡفِعۡلُ۔

ترجمہ: "اگر ہم کچھ کہتے ہیں تو تیرے حکم سے کہتے ہیں اور اگر کوئی عمل کرتے ہیں تو تیری توفیق سے کرتے ہیں (ایسی صورت میں) ہمارا قول و فعل کہاں رہا؟"

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ۔ (الکہف: ۲۴)

ترجمہ: "جب تو غافل ہو جائے تو خدا کو یاد کیا کر۔"

تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کی شرط بھول جانا ہے جبکہ سارا عالم اس کی یاد میں محو ہے (مگر انسان بھولا ہی رہتا ہے) یہ کہہ کر آپ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو کہا کہ اس دل پر تعجب ہے جو کلام الٰہی سن کر اپنی جگہ قائم رہے اور اس جان پر حیرانی ہے جو کلامِ خدا سن کر جسم سے نہ نکلے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کلامِ الٰہی میں سے یہ آیت پڑھی:

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡہِ اِلَی اللّٰہِ۔ (البقرۃ: ۲۸۱)

ترجمہ: "اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

تو ہاتف نے آواز دی کے آہستہ پڑھو اس کی ہیبت سے چار جن فوت ہو گئے۔ایک درویش نے بتایا کہ میں نے دس سال سے نماز میں پڑھنے کے علاوہ نہ تو قرآن خود پڑھا اور نہ دوسروں سے سنا،لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ اس اندیشہ سے کہ پڑھنے یا سننے سے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور حجت پوری ہو جائے گی۔

ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے پایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (النحل:۷۵)

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال دی ہے جو کسی دوسرے کا مملوک ہے اور بذاتِ خود کسی کام کرنے کا مختار نہیں) تلاوت کے ساتھ ساتھ آپ رو رہے تھے حتیٰ کہ میں نے انہیں فوت شدہ خیال کیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تقریباً گیارہ سال سے میں صرف یہاں تک تلاوت کرتا ہوں آگے نہیں پڑھ سکتا اور بڑھ سکتا۔

میں (یعنی حضرت داتا صاحب) نے حضرت ابو العباس سے پوچھا کہ آپ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آج سے چودہ سال پہلے تو ایک رات دن میں دو قرآن ختم کرتا تھا مگر بعد میں آج تک صرف سورۂ انفال تک پہنچا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت ابو العباس نے ایک قاری سے تلاوت کرنے کو کہا سو اس نے یہ آیت پڑھی:

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ۔ (یوسف:۸۸)

ترجمہ: ”اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو فاقہ کی سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس سرمایہ بہت تھوڑا ہے۔“

آپ نے فرمایا اور پڑھ تو قاری نے پڑھا:

قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف:۷۷)

ترجمہ: ”کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔“

آپ نے پھر پڑھنے کا حکم دیا تو اس نے پڑھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۬ (یوسف:۹۲)

ترجمہ: ”آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں خدا تمہیں معاف فرمائے۔“

اس کے بعد حضرت ابو العباس نے یوں دعا کی کہ اے خدا میں ظلم میں برادرانِ یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہوں اور تو لطف و کرم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے، میرے ساتھ وہ سلوک کر جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ کیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود متقی و گناہگار تمام مسلمان قرآن سننے کے لئے مکلف ہیں جیسا کہ حکم اللہ تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الانفال:۲۰۴)

ترجمہ: ”جس وقت قرآن پڑھا جائے تو آپ اسے سنیں اور خاموش رہیں تاکہ تم پر رحمت حق کا نزول ہو۔“

اس سے سماع قرآن کا بہر صورت حکم ہے خواہ قاری کسی طرح پڑھ رہا ہو۔

علاوہ ازیں فرمایا:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ (الزمر:۱۷،۱۸)

ترجمہ: ''میرے ان بندوں کو خوش خبری دے دیجئے جو قرآن سننے کے بعد اس بہتر کلام کی پیروی کرتے ہیں۔''

یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ نیز فرمایا:

الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ (الانفال:۲)

ترجمہ: ''کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف الٰہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔''

اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: ''ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل خدا کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ خدا کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔''

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جو اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ اس کے برعکس ان لوگوں کی بدبختی کا ذکر بھی کیا جو قرآن سنتے ہیں مگر ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے بلکہ فرمایا:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔ (البقرہ:۷)

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر (بدبختی) لگا دی اور ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔''

یعنی کافروں کے تمام وہ ذرائع جن سے ہدایت حاصل ہو سکتی تھی بند کر دیئے

گئے اور فرمایا کہ قیامت میں دوزخی کہیں گے کہ

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿١٠﴾ (الملک:۱۰)

ترجمہ: ''اگر ہم حق کی بات کو سنتے یا اس کو سمجھتے تو ہم دوزخ میں گرفتار نہ ہوتے۔''

فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ (الانعام:۲۵)

ترجمہ: ''ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کو سنتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کلام حق کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرہ پن رکھ دیا ہے۔''

فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ (الانفال:۲۱)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں سنتے۔''

ان کے علاوہ کتاب الٰہی میں بہت سی آیات ہیں جو سماع قرآن کی حقیقت کو واضح کرتی ہیں نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ اَنَا اَقْرَءُهٗ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّیْٓ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِیْ۔

تو مجھے کچھ پڑھ کر قرآن سنا، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں!

حالانکہ یہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔

یہ بات اس کا واضح ثبوت ہے کہ سننے والا قاری کی نسبت زیادہ کامل ہوتا ہے کیونکہ پڑھنے والا سوچ سمجھ کر یا بے سوچے سمجھے دونوں طرح پڑھتا ہے مگر سننے والا سوچ سمجھ کر سنتا ہے کیونکہ بولنے میں کسی حد تک تکبر پایا جاتا ہے اور سننے میں تواضع ظاہر ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس کے آخر میں یہ آیت ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ.

ترجمہ: ”جس طرح آپ کو حکم دیا گیا اس پر ثابت قدم رہئے۔“

حقیقت یہ ہے کہ انسان امر الٰہی پر قائم رہنے سے عاجز ہے کیونکہ بندہ توفیق حق کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا چنانچہ جب آپ کو استقامت کا حکم ملا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح بجالاؤں۔ دلی اضطراب کی وجہ سے آپ کمزور ہو گئے، رنج میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ایک دن کھڑے ہونے کے لئے زمین پر ہاتھ ٹیک کر سہارا لیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت یہ کیا حال ہے؟ آپ تو ابھی جوان اور صحت مند ہیں، فرمایا سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا یعنی استقامت کے حکم سے میری ہمت کمزور ہوگئی۔

جنت میں امیروں سے پہلے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”میں ضعفائے مہاجرین کی جماعت میں بیٹھا تھا جو پردہ پوشی کے لئے ایک دوسرے کے معاون تھے، قاری قرآن پڑھنے لگا اور رسول خدا اچانک ہمارے سروں پر آکھڑے ہوئے، قاری آپ کو

دیکھ کر خاموش ہو گیا آپ ﷺ نے سلام کے بعد پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم قرآن سن رہے تھے آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کے لئے مجھے ہدایت کی گئی ہے۔ پھر آپ ہمارے درمیان گھل مل کر بیٹھ گئے آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے حلقہ باندھ کر بیٹھنے کا فرمایا جس کے بعد ہمارے اور رسول کے درمیان کوئی ظاہری امتیاز نہیں تھا گویا ہم سب مفلس مہاجرین تھے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے مفلس مہاجرو! قیامت میں تمہیں مکمل کامیابی کی خوشخبری ہے تم جنت میں اپنے دولت مند بھائیوں کی نسبت آدھ دن پہلے داخل ہو گے اور دن کی مقدار پانچ سو سال ہے اگرچہ اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں مگر مطلب و معنی میں کوئی فرق نہیں۔

روایت ہے کہ زرارہ ابن ابی اوفی جو جلیل القدر صحابی تھے ایک مرتبہ لوگوں کی امامت فرما رہے تھے، آپ نے ایک آیت پڑھی جس کی ہیبت سے آپ فوراً فوت ہو گئے۔

حضرت صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ تابعی ابو جہمی (ابو جبیر) کے سامنے ایک آیت کریمہ پڑھی جس کی جلالت سے آپ فوت ہو گئے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے نواح میں ایک نیک صفت عورت کو نماز پڑھنے کے بعد بطور تبرک سلام کیا تو اس نے قرآن پڑھنے اور سنانے کی فرمائش کی میں نے قرآنی آیت پڑھی تو وہ بے ہوش ہو کر رحلت کر گئیں۔

احمد بن ابی الجواری روایت فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جنگل میں کنوئیں کے کنارے کھڑے دیکھا قریب ہوا تو اس نے سماع کی خواہش کی تا کہ وہ بآسانی جان دے سکے تو میں نے الہام کی مدد سے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔ (الاحقاف:۱۳)

ترجمہ: "بلاشبہ جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہا اور ثابت قدم رہے۔"

اس نے کہا کہ احمد! خدا کی قسم آپ نے وہی آیت تلاوت کی جسے میرے سامنے اس وقت فرشتے تلاوت کر رہے تھے یہ کہہ کر وہ فوت ہوگیا۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایات و حکایات ہیں اگر ان کا ذکر کیا جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے گی لہٰذا اب اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق

❁ ❁ ❁

شعر کا سماع اور متعلقات

معلوم ہونا چاہئے کہ شعر سننا مباح ہے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام نے اشعار پڑھے اور سنے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةٌ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: "بلاشبہ بعض اشعار میں حکمت ہے۔"

نیز فرمایا:

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: "حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے جہاں ملے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے (کہ حاصل کرلے)۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

اصدق کلمة قالتها العرب قول لبید۔

(سب سے زیادہ سچا کلام جو اہلِ عرب نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے) جس نے کہا کہ:

الا کل شئ ماخلا اللہ باطل
وکل نعیم لامحالة زائل

سنو! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور ہر ایک نعمت ضرور زوال پذیر ہے۔ عمر بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے شعر پڑھنے کا فرمایا اور پوچھا کہ کیا تجھے امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟

اور اگر ہیں تو ہمیں سناؤ، میں نے ایک سو اشعار سنائے۔ جب میں ایک شعر ختم کرتا تو آپ فرماتے کچھ اور سناؤ۔ آپ نے فرمایا کہ امیہ اپنے اشعار میں تو اسلام کو تسلیم کرتا ہے۔اس کے علاوہ بہت سی روایت ہیں۔

کچھ لوگ اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں اور رات دن غیبت میں مصروف رہتے ہیں۔اور کچھ لوگ ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتے ہیں اور رات دن غزل میں حسن صورت اور زلف کی تعریف میں لگے رہتے ہیں اور سنتے رہتے ہیں دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف دلائل دیتے ہیں مگر میرا مقصد ان میں سے نہ کسی کی تردید ہے اور نہ کسی کی تائید۔لہٰذا میں نے اتنے پر اکتفا کیا۔

مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ فرمان رسول سے استفادہ کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: "کَلَامٌ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ" (شعر ایک ایسا کلام ہے کہ جس کا اچھا (حصہ) اچھا ہے اور برا (حصہ) برا ہے) جس بات کا سننا نثر میں حلال ہے مثلاً حکمت، نصائح، آیاتِ الٰہی میں استدلال اور حق کے دلائل میں غور کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس کا نظم میں سننا بھی حلال اور جائز ہے۔

مختصر یہ کہ جس طرح فتنہ پھیلانے والے حسن پر نظر ڈالنا حرام ہے اسی طرح کی نظم و نثر کو بھی سننا حرام ہے اگر کوئی شخص سماع شعر کو مطلق حلال اور جائز سمجھتا ہے تو وہ کفر و بے دینی میں مبتلا ہے، اور جو شخص یہ کہے کہ میں حسن صورت میں حسن خدا کا جلوہ دیکھتا ہوں اور طلب حق کرتا ہوں کیونکہ آنکھ اور کان محل عبرت ہیں اور علم کا ذریعہ ہیں تو دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں چھوتا ہوں اور چھونے سے بھی عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے ایسی صورت میں تو شریعت کا ظاہر بالکل باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ" یعنی دونوں آنکھیں (غیر محرم کو دیکھنے سے) زنا کرتی ہیں چنانچہ دیکھنے، چھونے سے شرعی حکم ساقط ہو جائے گا اور یہ ظاہر گمراہی ہے

جاہل لوگوں نے صوفیا کو سماع کرتے دیکھا تو یہ سمجھا کہ یہ خواہش سے سماع کرتے ہیں حالانکہ وہ بے اختیار سماع کرتے ہیں جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ سماع حلال ہے اور اگر حلال نہ ہوتا تو یہ صوفی لوگ سماع نہ کرتے۔ چنانچہ جہلا نے ظاہر کو اختیار کر کے باطن اور اصل کو چھوڑ دیا (جو در اصل اصلاحِ نفس کا مقصد تھا) حتیٰ کہ خود بھی ہلاک ہوئے اور اپنے متبعین کے ایک پورے گروہ کو بھی برباد کر دیا۔ حالانکہ یہ زمانہ کی بہت بڑی آفت ہے۔اپنی جگہ پر اس کی مفصل تشریح بیان کی جائے گی۔

خوش الحانی اور ترنم کا سماع

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

زَيِّنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ۔ (دارمی)

ترجمہ: "قرآن پڑھنے میں اپنی آوازوں کو سنوارو۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ" (فاطر:۱)

ترجمہ: "وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔"

مفسرین کے مطابق اس سے مراد بہتر آواز اور ترنم ہے نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سننا چاہے وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سنے۔

احادیث میں ہے کہ بہشت میں جنتیوں کو بھی سماع حاصل ہوگا۔ جس کا ذریعہ مختلف درختوں سے مختلف سریلی آوازیں ہیں جو جنت میں نکلیں گی۔ مختلف آوازوں کے سامنے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے طبیعت کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اس قسم کا سماع حیوانوں اور انسانوں میں عام ہے اس لئے کہ روح ایک لطیف چیز ہے اور آواز میں بھی

ایک قسم کی لطافت ہے، جب ارواح ان آوازوں کو سنتی ہیں تو ہم جنسوں کی طرف مائل ہو جاتی ہیں یہ دراصل اطبا کا قول ہے۔

اہل علم محقق بھی بہت سے دعوے کرتے ہیں اور انہوں نے سریلی آوازوں کو باہم ملانے کے لئے کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور الحان و ترنم کو بڑی اہمیت دی ہے ان کے نظریات کی ترجمانی آج مزامیر سے بھی ہوتی ہے جو خواہش نفس اور بیہودگی کے لئے تیار کئے گئے ہیں جن سے شیطان کی پیروی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن اسحاق موصلی ایک باغ میں گا رہے تھے اور ایک بلبل بھی نغمہ سرائی کر رہا تھا وہ اسحاق کی خوش الحانی سن کر خاموش ہوگیا اور آخر کار گر کر مر گیا۔ اس قسم کی حکایات بہت ہیں مگر مقصد صرف یہ ہے کہ خوش الحانی سے حیوانات اور انسان دونوں لذت حاصل کرتے ہیں۔

اونٹ مست ہو کر مر گئے (حکایت):

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عربی سردار کے ہاں پہنچا تو ایک حبشی غلام کو بیڑیوں اور زنجیروں میں قید دیکھا جو خیمہ کے دروازے پر دھوپ میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے ازراہِ شفقت سفارش کا ارادہ کیا، عرب کے دستور کے مطابق امیر مہمان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے تو جب کھانے کا وقت آیا میں نے امیر کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دیا جو عربوں کے نزدیک بہت نامناسب بات ہے کہ کوئی شخص مہمان ہوتے ہوئے کھانا نہ کھائے انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ جبکہ ہم سب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں میں نے جواب دیا کہ سب کچھ صحیح ہے مگر اس غلام کو میری خدمت کے لئے مقرر کر دیں۔ امیر نے کہا آپ پہلے اس کا جرم معلوم کر لیں پھر اسے چھڑائیں، تو میں نے پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ غلام حدی خواں اور خوش الحان ہے

میں نے اسے اونٹ دے کر اپنی زمین سے غلہ لانے کو کہا اس نے ان پر دوگنا بوجھ لاد دیا اور حدی خوانی سے ان کو مست کر کے دوڑاتا رہا حتیٰ کہ وہ پہنچنے پر ایک ایک دو دو کر کے سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے سخت حیرانی ہوئی، میں نے کہا کہ آپ کی شرافت کے پیش نظر یہ سب کچھ سچ مانتا ہوں مگر دلیل چاہئے اسی دوران اونٹ پانی پینے کے لئے کنوئیں پر لائے گئے امیر نے شتربانوں سے پوچھا کہ اونٹ کتنے دن کے پیاسے ہیں، جواب ملا تین دن سے، پھر اس نے غلام کو حدی خوانی کرنے کو کہا تو اونٹ پانی پینا بھول کر حدی سننے میں مست اور مگن ہو گئے اور پانی کو کسی اونٹ نے منہ نہ لگایا۔ یہاں تک کہ اچانک ایک ایک کر کے سب بھاگ گئے اور جنگل میں اس کے بعد امیر نے غلام کو زنجیروں سے رہا کر کے میرے سپرد کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اونٹ اور گدھا گانا سننے سے مست ہو جاتے ہیں۔ ملک خراسان میں تو شکار کا یہ طریقہ ہے کہ شکاری طشت بجا کر اور گا کر ہرن کو مست بنا دیتے ہیں اور وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جاتا ہے جسے بآسانی شکار کر لیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی کہیں کہیں یہی طریقہ ہے جس سے ہرن کی آنکھیں تک بند ہو جاتی ہیں اسی طرح چھوٹے بچوں کو لوری سے نیند آجاتی ہے، طبیب ایسے بچوں کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ بڑا ہو کر عقل مند ہوگا۔

خوش الحانی سے علاج

عجم کے ایک بادشاہ کی وفات پر اس کے دو سالہ بچہ کا معائنہ بھی حکیم بزرجمہر کی ہدایت کے مطابق خوش الحانی اور گانے سے کیا گیا جس کی وجہ سے وہ بچہ حرکت کرنے لگا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا تب بزرجمہر نے کہا کہ اس بچہ سے بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے۔

غرضکہ خوش الحانی اور سریلی آواز کی تاثیر عقل مندوں کے نزدیک اس قدر مسلم ہے جس کی دلیل کی ضرورت نہیں اس کے برعکس جو شخص سریلی آواز اور خوش الحانی کو بے کار سمجھتا ہے اور بے اثر جانتا ہے وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے اور نفاق اختیار کرتا ہے یا وہ حس ہی نہیں رکھتا جس سے وہ استفادہ کر سکے، وہ انسان اور صوفیوں کے طبقہ سے باہر ہے۔ جو گروہ اس سے روکتا ہے وہ حکم الٰہی کا پاس کرتا ہے۔ فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کھیل کود کے اسباب نہ ہوں اور سماع سے دل میں بدکاری کا خیال پیدا نہ ہو تو اس کا سننا مباح ہے جس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی تھی جو گا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی جب اس لونڈی کو ان کے آنے کا علم ہوا تو وہ خاموش ہوگئی اور بھاگ گئی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو رسول کریم رضی اللہ عنہ نے تبسم فرمایا حضرت عمر نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ رضی اللہ عنہ! آپ تبسم کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری ایک لونڈی کچھ گا رہی تھی جب اس نے تمہاری آواز سنی تو بھاگ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب تک میں وہ بات نہ سن لوں جو آپ رضی اللہ عنہ سن رہے تھے تو میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے اس لونڈی کو بلوایا تو وہ گانے لگی اور آپ رضی اللہ عنہ سنتے رہے۔

اس طرح بہت سے صحابہ سے ایسی ہی روایات ہیں شیخ عبدالرحمن سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو اپنی کتاب ''السماع'' میں جمع کر دیا ہے اور ان کے جواز کا فیصلہ دیا ہے مگر مشائخ صوفیہ کی مراد سماع سے اباحت فقہی نہیں کہ جس پر عمل کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں بلکہ ان کی مراد اس سے وہ اباحت ہے جس سے اعمال میں فوائد حاصل ہوں ویسے صرف مباح کا خیال کرنا اور پیروی کرنا عوام کالانعام کا کام ہے سمجھدار لوگوں کو

ایسے کام کرنا چاہئیں جن سے فوائد دارین حاصل ہوں۔

حکایت:

ایک دفعہ مرو میں ائمہ اہل حدیث میں سے ایک مشہور امام نے مجھ (یعنی حضرت داتا صاحب رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میں نے سماع کو مباح ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے تو میں نے کہا کہ دین میں ایک بہت بڑی مصیبت پیدا ہوگئی کیونکہ اس طرح آپ نے ایک لہو ولعب کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے حلال کر دیا تو انہوں نے کہا اگر آپ اسے حلال نہیں سمجھتے تو خود سماع کیوں کرتے ہیں۔

میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم کئی وجوہ پر ہے ایک چیز پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر اس کی تاثیر دل میں بہتر اثر کرتی ہے تو یہ حلال ہے اور اگر حرام کی طرف مائل ہونے کا سبب ہے تو حرام ہے، اگر مباح اثر ہے تو سماع بھی مباح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہری معاملہ فسق پر ہے اور باطنی طور پر اس کی تاثیر مختلف طریقوں پر ہے تو ایسی چیز پر کوئی ایک حکم لگانا محال اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

سماع کے اَحکام

اختلاف طبائع کے لحاظ سے احکام سماع بھی مختلف ہیں جس طرح کہ عزائم و ارادے مختلف ہوتے ہیں ایسی صورت حال میں کسی ایک چیز پر ایک حکم لگانا ظلم ہے۔

سماع کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک فقط معنی کو سننے والے۔ دوسرے جو آواز کو سنتے ہیں معانی سے کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ ان دونوں طریقوں میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ سریلی آوازوں کا سننا غلبہ معنی کی وجہ سے ہوتا ہے جو فطرت انسانی میں داخل ہے۔ چنانچہ اگر معانی حق ہیں تو سماع بھی حق ہے اور معنی باطل ہے تو سماع بھی باطل ہے اس بناء پر جس شخص کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے وہ سب فساد بن جاتا ہے اور یہ سب معانی حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایات میں آتے ہیں کہ

لحن داؤدی

جب خدا نے ان کو خلیفہ کائنات بنایا تو خوش الحانی دی، آپ کے گلے کو ساز بنا دیا پہاڑوں کو آپ کی خوش الحانی کا ذریعہ بنا دیا حتیٰ کہ وحشی جانور، پرندے پہاڑوں اور جنگلوں کو آپ کی خوش الحانی کا ذریعہ بنا دیا حتیٰ کہ وحشی جانور، پرندے پہاڑوں اور جنگلوں سے آپ کی خوش الحانی سننے کے لئے جمع ہو جاتے، بہتے ہوئے پانی رک جاتے، اڑتے ہوئے پرندے گر پڑتے، آثار و روایات میں ہے کہ حضرت داؤد جس جنگل میں خوش الحانی کرتے وہاں کے جانور ایک ماہ تک کچھ نہ کھاتے پیتے، بچے نہ

دودھ مانگتے اور نہ روتے اکثر لوگ لحن داؤدی کی لذت میں فوت ہو جاتے، حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق سات سو جوان لونڈیاں اور بارہ ہزار بڈھے مر گئے۔

ابلیس کا حربہ:

اللہ تعالیٰ نے حقیقت پسند اور خواہش نفس سے سماع کرنے والوں میں امتیاز کر دیا جس سے ابلیس کا حربہ شروع ہوگیا اور وسوسہ کے ذریعہ بہکانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے اپنے حربوں کو استعمال کرنے کی اجازت مانگی۔ تو اس مل گئی اس بنا پر اس نے بانسری اور طنبورے بنائے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بالمقابل محفل سماع قائم کی حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے اہل سعادت حضرت داؤد کے ساتھ اور اہل شقاوت شیطان کے پیرو بن گئے۔ اہل معنیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی ظاہری آواز پر مائل نہ تھے بلکہ حقیقت پسند تھے کیونکہ وہ سب حق شناس اور حق بین تھے وہ شیطان کی محفل کو آزمائش اور مجلس داؤدی کو ذریعہ ہدایت جانتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے دونوں گروہوں کے اصل معاملات کو معلوم کر لیا صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط دیکھ کر کنارہ کش ہو گئے اور سب تعلقات سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا۔ چنانچہ جس شخص کا حال سماع کے متعلق ایسا ہو وہ جو کچھ سنے حلال ہے۔

مدعیوں کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سماع حقیقت میں جو کچھ ہے وہ بظاہر برخلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ مشکل ہے کیونکہ ولایت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی اصل کے مطابق دیکھا جائے تاکہ مشاہدہ صحیح ہو اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو مشاہدہ مکمل نہ ہوگا۔

جبکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ کُلَّ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔

ترجمہ: ''اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی حقیقت ایسی ہی دکھا جس صفت پر وہ اصل میں ہیں۔''

جب چیزوں کا مشاہدہ صحیح وہی ہے جو حقیقت اور اصل کو ظاہر کرے تو صحیح سماع کا معاملہ بھی اسی طرح ہونا چاہئے کہ سننا وہی مناسب ہوگا جو حقائق کو واضح کرے اور جو لوگ ظاہری آواز اور مزامیر پر خواہش نفس سے فریفتہ ہوتے ہیں وہ دراصل ظاہری آواز کو سنتے ہیں اصل مطلب کو نہیں سن سکتے۔ اگر وہ سماع کی حقیقت کے مطابق سنتے تو وہ سماع کی تمام خرابیوں سے نجات پا جاتے مگر اس کے برعکس نقصان میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ گمراہ لوگوں نے قرآن کو سنا مگر ان کی گمراہی میں اضافہ صرف اسی وجہ سے ہوا کہ وہ حقیقت کلام کو نہ سمجھ سکے بلکہ صرف ظاہری الفاظ کو سن کر کہنے لگے کہ یہ تو پرانے قصے اور مثالیں ہیں جیسا کہ نضر بن حارث نے قرآن کو سن کر کہا:

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الانعام:۲۵)

ترجمہ: ''یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو کاتب وحی تھا اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ'' (المؤمنون:۱۴)

ترجمہ: ''میں بھی ایسا کلام اتاروں گا جیسا اللہ نے قرآن اتارا ہے۔ پس وہ ذات بابرکات بہتر پیدا کرنے والا ہے۔''

ایک گروہ نے دیدار الٰہی کی نفی میں اس آیت کو دلیل بنالیا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ (الانعام:۱۰۳)

''اس ذات کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔''

ایک گروہ نے مکان اور جہت ثابت کرنے کے لئے اس آیت سے

استدلال کیا:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ: ''پھر عرش پر وہ اچھی طرح سے بیٹھ گیا۔''

ایک گروہ نے اس آیت کو دیدار الٰہی کی دلیل بنالیا:

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ (البلد:۲۲)

ترجمہ: ''اور آیا تیرا رب اور فرشتے صف در صف ہو کر۔''

چونکہ ان کے دل محل گمراہی تھے لہٰذا کلام نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ جب موحد نے کسی شعر کو دیکھ کر اس کے کہنے والے کے خالق کو دیکھا اور اس کے باطن کو آراستہ کرنے والے کا مطالعہ کیا تو بطور عبرت اس کے فعل کو فاعل پر دلیل بنالیا۔ غرض یہ کہ اس گمراہ گروہ نے کلام حق سن کر بھی راہ حق نہ پایا اور گروہ صوفیا نے کلام باطل میں سماع کے ذریعہ راہ حق تلاش کرلی۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا انکار کھلا ہوا مکابرہ ہے۔ واللہ اعلم!

❀ ❀ ❀

سماع کے متعلق مشائخ کے اقوال

سماع کے متعلق مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں مگر یہاں مختصراً لکھوں گا کیونکہ یہ کتاب ان سب کلمات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ ان سب سے آپ کو مکمل فائدہ ہوگا البتہ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

سماع حق کا فیضان ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع حق کا فیضان ہے جو دلوں کو حق کی طرف راغب کرتا ہے پس جس نے حقیقی معنوں میں سنا اس نے راہِ حق کو پا لیا اور جس نے خواہش نفسی سے سنا وہ بے دین ہو گیا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ سماع وصل حق کا سبب ہوگا بلکہ سننے والے کو چاہئے کہ سماع طلب حق کے لئے کرے صرف آواز کی رنگینی کے لئے نہیں تا کہ اس کا دل فیضانِ حق کا محل بن جائے چنانچہ جب حق حاصل ہوگا اور جو نفس و خواہش کا تابع ہوگا وہ پردہ میں رہے گا اور تاویل سے تعلق پیدا کرے گا۔ سماع حق مکاشفہ الٰہی کا سبب ہے اور سماع نفس حجابِ حق کا ذریعہ۔ جو زندیقی کی طرف راغب کرتا ہے زندقہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو معرب ہے فارسی میں اس کے معنی تاویل کرنے کے ہیں اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب کو ژند و پاژند کہتے ہیں جب لغت والوں نے آتش پرستوں کا نام رکھنا چاہا تو "زندیق" رکھ دیا کیونکہ زندیق یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ مسلمان کہتے ہیں اس کی تاویل ممکن ہے۔ تنزیل دیانت میں داخل کرتی ہے اور تاویل دیانت سے باہر نکالتی ہے۔

آج کل کے مصری شیعہ جو ان میں سے کچھ باقی ہیں وہی کہتے ہیں جو مجوسی کہتے تھے۔ چنانچہ زندیق کا نام ان کے لئے خاص ہو گیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع میں تحقیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اہل نفس تاویل کرنے والے اسی وجہ سے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت جو اہل اشارہ ہے اور اشارات کو پہچانتا ہے اس کے لئے سماع عبرت حلال ہے ورنہ طلب فتنہ ہے اور مصیبت کا سامنا کرنا ہے یعنی جس کا دل پوری طرح قولِ حق میں محو نہیں اس کے لئے سماع محل آفت اور آزمائش ہے۔

حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سماع کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ "لیتنا تخلصا منه راساً براس" (کاش کہ ہم اس سماع میں تحقیق کرنے والے ہوتے ہیں اور اہل نفس تاویل کرنے سے قاصر ہے جب کسی چیز کا حق فوت پا لیتے) اس لئے کہ آدمی ہر چیز کا حق کو دیکھتا ہے اور جب اپنی تقصیر کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ کاش ہم بالکل چھوٹ جاتے،

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

السماع تنبیه الاسرار لما فیه من المغیبات۔

ترجمہ: "بھیدوں کے پیدا کرنے کا نام سماع ہے جو دراصل باطن میں پوشیدہ ہیں۔"

تا کہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں اس لئے کہ اسرار کا پوشیدہ رکھنا مریدوں کے لئے سخت قابل ملامت ہے اور ان کے سب سے بڑے صفات میں سے ہے کیونکہ گو دوست بظاہر دوست سے غائب ہو مگر دل سے حاضر ہوتا

ہے اور جب غیبت آگئی تو دوستی ختم ہو جاتی ہے۔

میرے شیخ (یعنی حضرت داتا صاحب ؒ پیرو مرشد) نے فرمایا کہ

السماع زاد المضطرین فمن وصل استغنی عن السماع۔

ترجمہ: "سماع عاجز لوگوں کا سفر خرچ ہے پس جو منزل پر پہنچ گئے انہیں سماع کی حاجت نہیں۔"

کیونکہ وصل کی حالت میں سننے کا حکم باقی نہیں رہتا اس لئے کہ سننا خبر کا ہوتا ہے اور خبر غائب کے متعلق دی جاتی ہے جب آنکھوں سے مشاہدہ ہو گیا تو سننے کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت حضری ؒ فرماتے ہیں "تو اس سماع کو کیا کرے گا جو منقطع ہو جائے جب گانے والا رک جاتا ہے تو اس کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے چنانچہ مناسب یہ ہے کہ سماع متصل ہو جس کی تاثیر ختم نہیں ہوتی (یعنی ہر وقت ذکر حق کی آواز کانوں میں آتی رہے) اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمت مجتمع رہے منقطع نہ ہو کیونکہ بندہ جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو تمام عالم جمادات و حیوانات اس کا سماع کرنے والے ہو جاتے ہیں اور یہ درجہ بہت بڑا ہے۔ اللہ توفیق دینے والا ہے۔

سماع میں صوفیوں کا اختلاف

سماع کے متعلق مشائخ و محققین صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ سماع کو غیبت کا آلہ بتاتا ہے اور یہ دلیل دیتا ہے کہ مشاہدہ میں سماع محال ہے اور دوست کے دیدار کے وقت سننے سے بے نیازی ہو جاتی ہے کیونکہ سماع خبر کا ہوتا ہے اور خبر مشاہدہ کی حالت میں دوری، حجاب اور مشغولی ہوتی ہے۔ پس سماع مبتدیوں کا

آلہ ہوتا ہے تا کہ غفلت کی پراگندگیوں سے دل کو مجتمع کر سکیں اور جو پہلے سے مجتمع ہو وہ سماع کی وجہ سے پراگندہ ہو جاتا ہے۔ ایک گروہ سماع کو حاضری کا آلہ بتاتا ہے کیونکہ محبت کلی فنا اور محویت کو چاہتی ہے جب تک محب کا کل محبوب کے کل میں مستغرق نہ ہو جائے وہ محبت میں ناقص ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ دل کا حصہ وصل کے مقام میں محبت ہے اور باطن کا مشاہدہ روح کا وصل اور جسم کی خدمت ہے اسی طرح ضروری ہے کہ کان کا بھی حصہ ہو جیسا کہ دیدار میں آنکھ کا حصہ ہے۔ کسی شاعر نے اپنے ہزلیہ اشعار میں بسلسلہ دوستی شراب کہا ہے کہ:

الا فاسقنی خمرا وقل لی هی الخمر

ولا تسقنی سرا اذا امکن الجهر

ترجمہ: "اے دوست مجھے شراب پلا اور مجھے کہہ دے کہ یہ شراب ہے اور مجھے شراب مخفی طور پر نہ پلا جبکہ ظاہر پلانا ممکن ہے۔"

یعنی اے دوست شراب اس صورت میں پلا کہ میری آنکھ دیکھ لے اور ہاتھ چھو لے، زبان چکھ لے، ناک سونگھ لے مگر اس وقت قوت سامعہ یعنی کان محروم رہے گا لہٰذا یہ کہہ دے کہ یہ شراب ہے تا کہ کان بھی اپنا حصہ پا لے۔ حتیٰ کہ میرے تمام حواس اس سے مل جائیں اور لذت گیر ہو جائیں۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ سماع حضوری کا آلہ ہے کیونکہ غائب، غائب ہوتا ہے اور منکر بھی انجان اس کا اہل نہیں ہوتا۔ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بالواسطہ، (۲) بلاواسطہ، جو کسی گویے سے سنا جاتا ہے وہ غیبت کا آلہ ہوتا ہے اور جو خدا کی طرف سنا جاتا ہے وہ حضوری کا آلہ کہلاتا ہے اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ مخلوق اس لائق نہیں کہ ان کی کوئی بات سنی جائے یا ان کی بات بیان کی جائے سوائے بزرگان اور خاص لوگوں کے کسی سے سماع نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم!

بسلسلہ سماع صوفیاء کے مراتب

صوفیوں میں سے ہر ایک کا سماع کے معاملہ میں ایک خاص مقام و مرتبہ ہے جس کے ذریعہ وہ سماع سے لطف اندوز ہوتا ہے جیسا کہ توبہ کرنے والے کے لئے سماع، معاون توبہ ہوتا ہے اور اس سے ندامت حاصل ہوتی ہے، مشتاق دیدار کے لئے سبب دیدار، یقین کرنے والے کے لئے تاکید، مرید کے لئے تحقیق کا ذریعہ، محب کے لئے تعلقات منقطع کرنے کا باعث اور فقیر کے لئے سماع ماسوی اللہ سے ناامیدی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ دراصل سماع مثل آفتاب ہے جو تمام چیزوں پر روشنی ڈالتا ہے مگر اس روشنی سے استفادہ ہر چیز اپنی اپنی صلاحیت و اہلیت کے مطابق کرتی ہے۔ سورج کسی کو جلا دیتا ہے اور کسی کو جِلا دیتا ہے، کسی کو نوازتا ہے تو کسی کو بھسم کر دیتا ہے۔ سماع کے متعلق تین فرقے ہیں۔ (۱) مبتدی، (۲) متوسط درجہ اور (۳) تیسرے نمبر پر کامل ہیں ان میں سے ہر ایک کا مفصل تذکرہ کیا جائے گا تا کہ حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سماع کے متعلق معاملات

معلوم ہونا چاہئے کہ سماع فیضانِ حق ہے اور انسانی جسم کی ساخت و ترکیب متضاد عناصر سے ہوئی ہے اس وجہ سے مبتدی کی طبیعت شروع میں خدا کے معاملات میں نہیں لگتی مگر جب امور الٰہی اور اسرار ربانی کا سلسلہ جاری ہوتا ہے تو طبیعت کو سوز و گداز حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت سماع سے بے ہوش ہو جاتی ہے

اور ایک جماعت ہلاک ہو جاتی ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں رہتا جو حد اعتدال سے نہ گزر جائے۔ یہ حقیقت ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ ملک روم میں لوگوں نے "انگلیون" نامی ایک عجیب چیز تیار کی ہے جسے یونانی عجائب و غرائب کے مجموعہ والی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ دراصل ایک باجہ ہے، جہاں ہفتہ میں دو دن بیماروں کو ان کی بیماری کے مطابق بجا کر سنایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو مارنا مقصود ہوتا ہے تو اسے اس جگہ پر زیادہ دیر ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ وہ ساز سن کر ہلاک ہو جائے۔ اگر چہ موت کا وقت معین ہے مگر اس کے اسباب تو برحق ہیں اگر چہ اس باجہ کو طبیب سنتے ہیں مگر ان کو کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ان کی طبیعت کے بالکل موافق ہوتا اور مبتدیوں کی طبیعت کے مخالف ہے۔

میں (یعنی حضرت داتا گنج بخش ؒ) نے ہندوستان میں ایک ایسا زہر دیکھا ہے جس میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کی غذا ہی وہ زہر ہے کیونکہ وہ ہمہ تن زہر ہی ہو جاتا ہے۔ ترکستان میں اسلامی سرحد پر واقع ایک شہر میں پہاڑ کو آگ لگ گئی اور وہاں سے نوشادر ابل رہا تھا اس آگ میں ایک چوہا تھا جو باہر نکلا تو فوراً مر گیا۔

ان مثالوں سے مراد یہ واضح کرنا ہے کہ مبتدیوں کی بے چینی فیضان الٰہی کے وارد ہونے کی صورت میں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا جسم اس کے بالکل مخالف ہوتا ہے اور اس حالت کے متواتر قائم رہنے سے مبتدی کو سکون حاصل ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے تو رسولِ خدا ﷺ کی شروع میں اضطراب ہوا مگر جب انتہاء پر پہنچ گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے تاخیر کرنے پر آپ ﷺ غمگین ہو جاتے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ یہ حکایات بسلسلہ سماع مبتدیوں کے لئے دلیل راہ ہیں اور منتہیوں کے لئے باعثِ آرام و سکون۔

سماع میں اضطراب

مشہور ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو سماع میں کافی اضطراب ہوتا اور دوسرے مرید اسے سنبھالتے۔ جب اس چیز کی شکایت کی گئی تو آپ نے مرید سے فرمایا اگر آئندہ تو نے سماع میں بے قراری کا مظاہرہ کیا تو میں تجھے ہم نشیں نہیں ہونے دوں گا۔

بے قراری

حضرت ابومحمد حریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو میں نے سماع کی حالت میں دیکھا تو اس کے ہونٹ بند تھے اور ہر بال سے بے قراری کا چشمہ ابل رہا تھا ایک دن اس کے ہوش وحواس معطل تھے مگر حقیقت معلوم نہ ہوسکی کہ آیا وہ دورانِ سماع اچھی حالت میں تھا یا مرشد کی حرمت اس پر غالب تھی۔

سماع موت کے واقعات

روایت ہے کہ ایک شخص نے سماع میں ایک نعرہ مارا تو مرشد نے کہا کہ خاموش رہ، اس نے سر اپنے زانوں پر رکھا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔

شیخ ابومسلم فارس بن غالب فارسی سے میں (حضرت داتا صاحب) نے سنا ہے کہ ایک درویش دورانِ سماع بہت بے چین ہوجاتا تھا کسی شخص نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھتے ہی فوت ہوگیا۔

حضرت دراج ابن القرطی کے ساتھ دجلہ کے کنارے بصرہ اور رملہ کے درمیان جارہے تھے راستہ میں ایک محل کے نیچے پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص چھت پر بیٹھا ہوا سامنے لونڈی سے گانا سن رہا ہے لونڈی یہ شعر پڑھ رہی تھی:

في سبيل الله ودكان منى لك يبذل
كل يوم تتلون غير هذا بك اجمل

ترجمہ: ”میں تو تجھ سے خدا کے لئے محبت کرتا تھا اور اس کے ساتھ تیرا ہر روز ایک نئے انداز اور رنگ میں بدلنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔“

میں (یعنی حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ) نے ایک جوان کو اس محل کے نیچے گدڑی اور لوٹا لئے کھڑا دیکھا اس نے کہا کہ اے لونڈی تجھے خدا کی قسم یہ شعر دوبارہ پڑھ کیونکہ میری زندگی صرف ایک سانس رہ گئی ہے اور اس کے سننے سے ختم ہوجائے گی۔ لونڈی نے جب دوبارہ پڑھا تو جوان نے نعرہ مارا اور مرگیا لونڈی کے مالک نے کہا تو آزاد ہے اور خود نیچے اتر کر جوان کے کفن دفن کی تیاری کرنے لگ گیا سب بصرہ والوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد وہ آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ اے اہل بصرہ! میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے سب ملکیت راہِ خدا میں وقف کردی ہیں اور غلاموں کو آزاد کردیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور کسی کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔

اس حکایت سے مطلب یہ ہے کہ مرید کا سماع کے وقت ایسا حال ہونا چاہئے کہ وہ بدکاروں کو بدکاری سے نجات دے جبکہ آج گمراہوں کا ایک گروہ بدکاروں کے سماع میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم حق کی وجہ سے سماع کرتے ہیں فاسق لوگ ان کے ہم خیال ہوجاتے ہیں اور سماع کے سلسلہ میں فسق وفجور میں زیادہ حریص بن جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ خود بھی ہلاک ہوجاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی تباہ کردیتے ہیں۔

سوال

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر ہم بطور عبرت گرجا میں چلے جائیں اور صرف کافروں کی ذلت کا مشاہدہ کریں اور اسلام کی نعمت پر شکریہ کریں تو کیا

جائز ہے؟

آپ نے فرمایا اگر تم گرجا میں اس انداز میں جاؤ کہ جب باہر نکلو تو کچھ کافروں کو مسلمان بنا کر اپنے ساتھ لے آؤ تو جاؤ ورنہ نہیں۔

پس عبادت خانہ والا اگر شراب خانہ میں چلا جائے تو شراب خانہ بھی اس کا عبادت خانہ بن جاتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں ایک بزرگ کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک گویے کی آواز سنی جو یہ گا رہا تھا:

منٰی ان تکن حقا تکن احسن المنی
ولا فقد عشنا بھاز منا وغدا

ترجمہ: ”آرزو اگر حق ہے تو بہتر آرزو ہے ورنہ ہم نے اس آرزو میں ایک زمانہ بسر کر لیا ہے جو گزر چکا ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور رحلت کر گیا۔“

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو گویے کی آواز میں مصروف دیکھا میں نے بھی اس آواز پر کان لگائے کہ اس کا گانا سنوں تو وہ غمناک آواز میں یہ گا رہا تھا:

امد کفی بالخضوع
الی الذی جار بالاصغاء

ترجمہ: ”میں فروتنی سے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں جو سننے کی سخاوت کرتا ہے۔“

اس درویش نے نعرہ مارا اور مر گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

پہاڑی راستہ پر چل رہا تھا تو میں نے خوشی میں آ کر یہ شعر پڑھا:

صح عند الناس انی عاشق
غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن
لیس فی الانسان شئ حسن
الا واحسن منه صوت الحسن

ترجمہ: ”لوگوں کو یہ تو صحیح طور پر معلوم ہے کہ میں عاشق ہوں مگر انہیں یہ علم نہیں کہ میں کس کا عاشق ہوں انسان میں تو کوئی چیز اچھی نہیں سوائے اس کی اچھی آواز کے۔“

مجھ سے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دوبرہ پڑھو، میں نے دوبارہ پڑھے تو آپ نے وجد کی حالت میں زمین پر پاؤں مارے میں نے غور سے دیکھا تو آپ کے قدم پتھر میں اس طرح گڑے ہوئے تھے جیسے کہ موم میں ہوں پتھر میں نہیں آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ میں باغ جنت میں تھا لیکن تو نے نہیں دیکھا۔ اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں مگر یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

میں (حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ) نے بچشم خود ایک درویش کو آذربائیجان کی پہاڑیوں میں چلتے ہوئے جلدی جلدی یہ اشعار پڑھتے دیکھا جو ساتھ ساتھ آہ وزاری بھی کرتا چلا جا رہا تھا۔

واللہ ماطلعت شمس ولا غربت
الا وانت فی قلبی ووسواسی
ولا جلست فی قوم احدثھم
الا وانت حدیثی بین اجلاسی

ولا ذكرتك محزونا ولا طربا

الا وحبك مقرون بأنفاسی

ولا هممت بشرب الماء من عطش

الا رأيت خيالا من فی الكاس

فلو قدرت على الاتيان زرتكم

مكبا على الوجه ومغيا على الراس

ترجمہ: ”خدا کی قسم مجھ پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا مگر تو میرے دل میں اور میرے خیالات میں بسا ہوا ہوتا ہے میں نے کسی مجلس اور قوم میں تیری بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی، میں نے تیرا ذکر خوشی وغم کی حالت میں اس طرح کیا ہے کہ تیری محبت میرے ہر سانس میں ملی ہوئی ہوتی ہے۔ میں نے پیاس کی حالت میں ہمیشہ اس طرح پانی پیا ہے کہ پیالے میں تیرا تصور وخیال رہا اگر میں آپ کے پاس آنے کی طاقت رکھتا تو منہ اور سر کے بل چل کر تیری زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتا۔“

ان اشعار کے سماع سے اس درویش کی حالت نازک ہوگئی تھوڑی دیر پتھر سے پشت لگا کر سہارا لیتے ہوئے بیٹھا اور فوت ہوگیا۔ خدا اس پر رحمت فرمائے۔

ہوس انگیز اشعار کے سماع کی کراہت

مشائخ کا ایک گروہ قصائد، اشعار اور غنا کے ساتھ اس طرح پڑھنا کہ حروف مخارج کی حدود سے تجاوز کر جائیں سننا مکروہ سمجھتا ہے، یہ گروہ نہ صرف خود پرہیز کرتا رہا ہے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی منع کرتا رہا ہے جس میں کافی حد تک مبالغہ ہے۔ ان کے چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے نزدیک ایک خاص علت ہے۔ ایک گروہ سماع کے حرام ہونے کے لئے کئی روایتیں پیش کرتا ہے، اس سلسلہ میں وہ سلف صالحین کے پیروکار ہیں جیسا کہ حضرت رسول کریم رضی اللہ عنہ کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لونڈی کو گانے سے ڈانٹ کر روکنا اور تنبیہ کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گانے والے صحابی کو کوڑے لگانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ پر اس وجہ سے اعتراض کرنا کہ ان کے پاس گانے والی لونڈیاں تھیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس حبشی عورت کے دیکھنے سے منع کرنا جو گانا گا رہی تھی اور فرمایا کہ وہ شیطان کی سہیلی ہے اس طرح کی اور بہت سی روایات ہیں۔

نیز یہ گروہ کہتا ہے کہ موجودہ اور گزشتہ زمانہ کی تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مکروہ ہے حتیٰ کہ ایک گروہ تو اسے مطلقاً حرام کہتا ہے۔

اس معنی میں حضرت ابوالحارث بنانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں سماع کا بہت شوقین تھا ایک رات میرے حجرے میں ایک شخص آیا اس نے مجھ سے کہا کہ طالبان حق کی ایک جماعت مجتمع ہوئی ہے اور وہ آپ کے دیدار کی مشتاق ہے اگر آپ قدم رنجہ فرمائیں تو کرم ہوگا۔ میں نے کہا چلو میں آتا ہوں۔ پھر میں اس کے پیچھے چل

دیا۔ وہ مجھے ایک ایسے گروہ کے پاس لے گیا جو حلقہ باندھے بیٹھا تھا اور ران کا شیخ ان
کے درمیان تھا ان سب نے میری عزت کی اور ممتاز جگہ پر مجھے بٹھا دیا۔ اس شیخ نے
مجھ سے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ اشعار سنواؤں؟ میں نے اجازت دے دی۔ دو شخصوں
نے خوش الحانی کے ساتھ ہم آواز ہو کر ایسے اشعار گائے جو شاعروں نے فراق میں کہے
تھے وہ سب وجد میں کھڑے ہو گئے نعرے اور لطیف اشارے کرنے لگے میں ان کے
حال پر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور بڑا محظوظ ہوا یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی اس وقت
اس شیخ نے مجھ سے کہا، اے شیخ! آپ نے مجھ سے دریافت نہ فرمایا کہ میں کون
ہوں؟ اور کس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں؟ میں نے کہا تمہاری حشمت مجھے یہ دریافت
کرنے میں مانع رہی۔ اس نے کہا میں عزازیل ہوں جسے اب ابلیس کہتے ہیں اور
یہ سب میرے فرزند ہیں اس جگہ بیٹھنے اور گانے سے مجھے دو فائدے تھے ایک یہ کہ
میں خود جدائی اور فراق کی مصیبت میں مبتلا ہوں اور نعمت کے دنوں کو یاد کرتا ہوں
دوسرے یہ کہ متقی لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا کر غلط راستہ پر ڈالتا ہوں۔ فرماتے ہیں
کہ اس کے بعد میرے دل سے سماع کا ارادہ اور اس کا شوق جاتا رہا۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شیخ ابو
العباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن ایسے اجتماع میں
شریک تھا جس کے کچھ لوگ سماع میں مشغول تھے اور ان کا سردار ان کے درمیان
رقص کر رہا تھا اور ان میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ وہ اس سے محظوظ ہو رہے تھے اور کچھ لوگ
ایسے تھے جو اس اندیشہ کے پیش نظر، کہ مریدین اس بلاؤ بیہودگی میں مبتلا نہ ہو جائیں ان
کی تقلید نہ کرنے لگیں۔ معصیت کے کنارے پر کھڑے ہو کر توبہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ
دیں ان کی نفسانی خواہشات کی تقویت کا موجب نہ بنے ہوس کا ارادہ ان کی صلاحیتوں کو
فسخ نہ کر دے کیونکہ یہ لوگ سماع نہیں کر رہے تھے بلکہ فتنہ و بلا کا سامان پیش کر رہے

تھے، اس لئے وہ ان کے ساتھ شریک نہ تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک مرید سے
ابتدائے توبہ کے وقت نصیحت فرمائی کہ اگر تم دین کی سلامتی اور توبہ پر استقامت چاہتے
ہو تو اس سماع سے دور رہنا جو صوفی لوگ سنتے ہیں۔ نہ ان میں شریک ہونا اور نہ ان
کے ساتھ بیٹھنا جب تک کہ تم جوان ہو۔ جب تم بوڑھے ہو جاؤ تو ایسے فعل سے باز رہنا
جس سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع والوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک لاہی، دوسرا الہی،
لاہی سراسر فتنہ ہیں وہ خدا سے نہیں ڈرتے۔ دوسرا الہی وہ مجاہدہ و ریاضت میں رہتے
اور مخلوق سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو فتنوں سے بچاتے ہیں یہ لوگ خدا کی حفاظت
میں ہوتے ہیں۔ مگر ہم نہ اس گروہ سے ہیں اور نہ اس گروہ سے، ہمارے لئے یہی بہتر
ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں اور ایسی باتوں میں مشغول ہونا جو ہمارے وقت کے موافق
ہو زیادہ بہتر ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جب عوام کے لئے سماع میں فتنہ ہے اور ہمارے
سننے سے لوگوں کے اعتقاد میں تذبذب واقع ہوتا ہے اور ہمارے درجے سے لوگ
غافل و محجوب ہیں اور وہ ہماری وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیں لازم ہے کہ ہم
عوام پر شفقت کریں اور خاص لوگوں کو نصیحت کریں کہ دوسروں کی خاطر وہ اس سے باز
رہیں۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "وَمِنْ حُسْنِ
اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُ مَالَا يَعْنِيْهِ" اسلام کے نیک خصائل میں سے یہ ہے کہ
لایعنی اور بے کار چیزوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا ہم ایسی چیزوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور
اس سے دور ہیں کیونکہ لایعنی چیزوں میں مشغول ہونے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔

حالانکہ دوستوں کے نزدیک ان کا اپنا وقت بڑا عزیز ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

خاص لوگوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کو پانا ہے یہ بچوں کا کام ہے کیونکہ مشاہدے میں خبر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے مشاہدے سے ہی تعلق رکھنا چاہیئے۔ لہٰذا سماع کے احکام یہ ہیں جسے میں نے اختصار سے بیان کر دیا ہے اب مشائخ کے وجد، وجود اور تواجد کو بیان کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق!

❁ ❁ ❁

وجد، وجود اور تواجد کے مراتب

واضح رہنا چاہیئے کہ وجد و وجود، دونوں مصدر ہیں وجد کے معنی اندوہ و غم اور وجود کے معنی پانے کے ہیں۔ جب دونوں کا فاعل ایک ہو تو بجز مصدر کے فرق کے اور کوئی فرق نہیں باقی رہتا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "وجد، یجد، وجود اور وجدانا" اور جیسے "وجد، یجد، وجدا" جس کے معنی اندوہگیں کے ہیں۔

نیز جب تونگری کے معنی میں ہوگا تو "وجد، یجد، جدۃ" مستعمل ہوگا اور غصہ کے معنی میں ہوگا تو "وجد، یجد، موجدۃ" مستعمل ہوگا۔ یہ سب مصادر ہیں نہ کہ افعال و مشتقات اور اہل طریقت کے نزدیک وجد اور وجود سے ان دو حالتوں کا اثبات ہے جو سماع میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک غم و اندوہ اور دوسرا حصول مراد کی کامیابی کی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ غم و اندوہ کی حقیقت، محبوب کا گم ہونا اور مراد کا نہ پانا ہے اور حصولِ مراد کی حقیقت، مراد کا پانا ہے۔ حزن و وجد کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو محبت کے طریقہ پر دوسروں کے نصیب میں ہو۔ یہ تمام تغیرات طالب کی صفت ہیں "اَلْحَقُّ لَا یَتَغَیَّرُ" حق تغیر پذیر نہیں ہوتا اور وجد کی کیفیت، لفظ و عبارت میں بیان نہیں کی جاتی کیونکہ وہ معائنہ میں غم و الم ہے اور غم و الم کی کیفیت لکھی نہیں جا سکتی۔

وجد ایک باطنی کیفیت ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان ہوتی ہے کیونکہ کشف میں باطنی حالت کا بیان اور اس کے وجود کی کیفیت و کمیت کا نشان و اشارہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مشاہدہ میں یک گونہ خوشی ہے اور خوشی، طلب سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور وجود ایک طلب ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس کی حقیقت کا اظہار و اشارہ ناممکن ہے۔

میرے نزدیک وجدؔ، دل کو غم: الم پہنچنے کا نام ہے خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے، تکلیف سے ہو یا راحت سے اور وجودؔ دلی غم کا آکہ ہے۔ اس سے مراد سچی محبت ہے۔ واجد کی صفت بحالت جوش اور شوق، حرکت ہوگی یا بحالتِ کشف، مشاہدہ کی حالت کے موافق سکون ہوگی۔

لیکن آہ وفغاں کرنے، گریہ وزاری کرنے، غصہ کرنے راحت پانے، تکلیف اٹھانے اور خوش ہونے کی صورت میں مشائخ طریقت کا اختلاف ہے کہ آیا وجد مکمل ہوتا ہے یا وجود؟ مشائخ فرماتے ہیں کہ وجودؔ مریدوں کی صفت ہے اور وجد عارفوں کی توصیف چونکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی صفت بھی ان سے بلندتر اور کامل تر ہو۔ جو چیز حاصل ہونے اور پانے کے تحت آتی ہے وہ مدرک ہوتی ہے، موصوف وصفت ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں اور یہ کہ ادراک حد کا اقتضاء کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ بے حد ہے لہٰذا بندہ کا پانا بجز مشرب وعمل کے نہ ہوگا اور جس نے نہ پایا ہو وہ طلب گار ہوتا ہے اور اس میں طلب منقطع ہوتی ہے اور وہ اس کی طلب سے عاجز ہوتا ہے اور وجدان حق کی حقیقت ہوتی ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے وجد، مریدوں کی سوزش ہے اور وجود محبوں کا تحفہ۔ مریدوں سے محبوں کے درجہ کی بلندی مقتضی ہے کہ طلب کی سوزش سے، تحفہ مکمل اور زیادہ آرام دہ ہے اس کی وضاحت اس حکایت میں ہے کہ:

ایک دن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حال کے جوش میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انہوں نے ان کو غمگین دیکھا تو عرض کیا کہ اے شیخ! کیا بات ہے؟ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "مَنْ طَلَبَ وَجَدَ" جس نے چاہا پالیا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا "لَا بَلْ مَنْ وَجَدَ طَلَبَ" نہیں بلکہ جس نے پایا وہ طالب ہوا۔

اس کے معنی میں مشائخ فرماتے ہیں کہ ایک نے وجد کا پتہ دیا۔ دوسرے نے وجود کا اشارہ کیا۔ مگر میرے نزدیک حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا قول معتبر ہے اس لئے کہ بندہ جب جان لیتا ہے کہ اس کا معبود، اس کی جنس کا نہیں ہے تو اس کا غم طویل ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں اس بحث کا تذکرہ اس سے پہلے بھی کیا جاچکا ہے۔

مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ غلبہ وجدؔ سے غلبہ علم اقویٰ ہوتا ہے کیونکہ جب قوت وجد کے غلبہ کو ہوتی ہے تو واجد خطر کے محل میں ہوتا ہے اور جب قوت، علم کے غلبہ کو ہوتی ہے تو عالم امن کے محل میں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طالب حق، ہر حال میں علم وشریعت کا فرمانبردار رہے کیونکہ جب وجدؔ سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ جاتا ہے تو ثواب وعتاب بھی اٹھ جاتا ہے۔ جب ثواب وعتاب اٹھ جائے تو عزت وذلت بھی اٹھ جاتی ہے۔ اس وقت اس کا حکم دیوانوں اور پاگل جیسا ہوتا ہے نہ کہ اولیاء اور مقربین جیسا؟ جب بندے کے غلبہ حال پر، علم کا غلبہ ہو تو بندہ اوامر ونواہی کی پناہ گاہ میں ہوتا ہے اور عزت کے محل میں مقیم۔ اور وہ ہمیشہ صاحب شکر ہوتا ہے اور جب غلبہ علم پر حال کا غلبہ غالب ہو تو بندہ حدود سے خارج ہو کر اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم ہو جاتا ہے اس وقت یا تو معذور ہوگا یا مغرور؟ بعینہ یہی معنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ہیں اس لئے کہ دو ہی راستے ہیں ایک علم سے دوسرے عمل سے اور جو عمل، علم کے بغیر ہو اگرچہ بہتر ہو مگر وہ جہل ونقص ہے۔ اور وہ علم جو عمل کے بغیر ہو بہر طور موجب عزت وشرف۔ اسی بنا پر حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اہل ہمت کا کفر، آرزو رکھنے والے اسلام سے بزرگ تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ہمت پر کفر کی کوئی صورت نہیں بنتی اگر غور کیا جائے تو اہل ہمت جو کفر کے ساتھ ہو آرزو والے ایماندار سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا شبلی مست ہے اگر وہ مست مستی سے افاقہ پا جائیں تو ایسے ڈرانے والے ہوں کہ کوئی بھی ان سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابوالعباس بن عطا

رحمۃ اللہ علیہم ایک جگہ جمع تھے قوال نے چند اشعار گائے دونوں باہم وجد کرنے لگے اور حضرت جنید ساکن بیٹھے رہے۔ وہ کہنے لگے اے شیخ! اس سماع میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے؟

حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا:

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ (النمل:۸۸)

ترجمہ: ”تم ان کو جامد و ساکن خیال کرتے ہو حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی مانند گزر جاتے ہیں۔“

بحالت وجد، تواجد تکلف ہے تواجد یہ ہے کہ حق کے انعام وشواہد کو دل پر پیش کرنا اور وصل و آواز کی فکر کرنا، یہ کام جوانمردوں کا ہے۔

ایک گروہ اس میں محض رسموں کا پابند بنا ہوا ہے جو ظاہری حرکتوں کی تقلید کرتا، باقاعدہ رقص کرتا اور ان کے اشاروں کی نقل اتارتا ہے یہ حرام محض ہے۔ ایک گروہ محقق وثابت قدم ہے اس میں محض مراد، مشائخ کے درجات اور ان کے احوال کی طلب ہے نہ کہ خالی رسموں کی تقلید اور حرکتوں کی پیروی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: ”جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔“

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ

اِذَا قَرَأْتُمُ الْقُرْآنَ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ”جب تم قرآن پڑھو تو روؤ پھر اگر رونہ سکو تو رونے کی شکل بنالو۔“

یہ حدیث مبارک تواجد کی اباحت پر شاہد و ناطق ہے۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ہزار میل جھوٹے قدم چلتا ہوں تاکہ ان میں سے کوئی ایک قدم تو سچا ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

رقص اور اُس کے متعلقہ امور

واضح ہو کہ شریعت وطریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ لہو اور کھیل ہے خواہ بکوشش ہو خواہ بیہودگی سے ہو لغو و باطل ہے۔ کوئی ایک بزرگ بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ نہ اس میں کسی نے غلو کیا ہے۔ اس بارے میں اہل حشو کا ہر قدم یا ثبوت جو بھی ہے وہ سب بطلان پر مبنی ہوگا۔ مثلاً اگر وہ یہ کہیں کہ وجد کی حرکتیں اور اہل تواجد کے معاملات رقص کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ باطل ہے بیہودہ لوگوں کا ایک گروہ اس میں ان کی تقلید کرتا اور غلو برتتا ہے۔ انہوں نے اسے اپنا مذہب بنالیا ہے۔ میں نے عام لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب تصوف اس کے سوا ہے ہی نہیں جسے وہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ایک گروہ تو اصلیت ہی کا منکر ہو گیا ہے۔ الغرض رقص، شرعاً اور عقلاً تمام لوگوں کے لئے برا ہے اور یہ محال ہے کہ بزرگ لوگ ایسا کریں۔ البتہ جب اہل دل میں کوئی سبکی یا خفت نمودار ہوتی ہے اور باطن پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور وقت میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے تو حال اپنا اضطراب ظاہر کرتا ہے اس وقت ترتیب و رسوم اور باقاعدگی مفقود ہو جاتی ہے ایسے اضطراب میں جو کیفیت نظر آتی ہے نہ تو وہ رقص ہے نہ پاؤں کی جھنکار اور نہ اس میں طبع کی پرورش، بلکہ یہ اضطراب تو ایسا ہوتا ہے کہ جان کو گھلا دیتا ہے۔ یہ بات سراسر بعید ہے کہ اس اضطراب کو رقص کہہ دیا جائے۔ حالانکہ اضطراب ایسا حال ہے جسے زبان و گفتار میں نہیں لایا جا سکتا۔

من لم یذق لایدری النظر فی الاحداث۔

ترجمہ: "جس نے اس کا مزہ نہ چکھا وہ ظاہری اطوار کو نہیں جان سکتا۔"

بہر حال نوعمروں کو دیکھنا اور ان کی صحبت کرنا منع ہے اور اسے جائز رکھنے والا کافر ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی دلیل دی جائے وہ بطالت و جہالت کا ثبوت ہے۔ میں نے جاہلوں کے ایک گروہ کو دیکھا۔ وہ اہل طریقت پر ایسی ہی تہمت دھرتے ہیں پھر ان کا انکار کرتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی دیکھا ہے جس نے اسے اپنا مشرب بنا لیا ہے۔ تمام مشائخ نے اسے آفت جانا ہے۔ یہ اثر حلولیوں نے باقی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت برسائے۔

کپڑے پھاڑنا:

واضح رہنا چاہئے کہ کپڑے پھاڑنا صوفیاء کرام کے درمیان مشہور عادت ہے۔ بڑے بڑے اجتماع میں جس میں مشائخ کبار موجود ہوتے صوفیوں نے کپڑے پھاڑے ہیں۔ میں نے علماء کے گروہ کو دیکھا ہے جو اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ محال ہے کہ کسی فساد سے جس سے ان کی مراد اصلاح ہو اسے درست کہا جائے۔ تمام لوگ درست کپڑے کو پھاڑتے اور کاٹتے ہیں پھر اسے سیتے ہیں۔ مثلاً آستین، دامن، چولی وغیرہ ہر ایک کو کاٹ کاٹ کر سیتے اور درست کرتے ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی کپڑے کو سو (۱۰۰) ٹکڑے کرے پھر انہیں سئے اور کوئی پانچ ٹکڑے کرے اور سئے۔ باوجود یہ کہ ہر وہ ٹکڑا جسے پھاڑا گیا اسے سی دیا جائے۔ اس سے ایک مومن کے دل کی راحت ہے اس سے جو گدڑی تیار ہوتی ہے وہ ان کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اگرچہ طریقت میں کپڑا پھاڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ بحالت سماع، درست کپڑا نہیں پھاڑنا چاہئے کیونکہ یہ اسراف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر سامع پر ایسا غلبہ طاری ہو جائے جس سے خطاب اٹھ جائے

تو وہ بے خبر اور معذور ہے۔ جب کسی کا یہ حال ہو جائے اور کوئی اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑے اس کو جائز ہے۔

اہل طریقت کے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ میں تین قسم کے لوگ ہیں۔
ایک وہ درویش جو خود اپنے کپڑے پھاڑے یہ بحالت سماع، غلبہ حال کے حکم میں ہوگا۔

دوسرے وہ لوگ جو مرشد و مقتداء کے حکم سے کپڑے پھاڑیں مثلاً کوئی استغفار و توبہ کی حالت میں کسی جرم کے سبب کپڑے پھاڑے اور وجد و سکر کی حالت میں کپڑے پھاڑے ان میں سب سے مشکل تر وہ کپڑے پھاڑنا ہے جو سماع میں کرتے ہیں یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک مجروح و زخمی، دوسرے صحیح و درست۔ مجروح کی دو شرطیں ہیں۔ یا کپڑے کو سی کر اسے دے دیں یا کسی اور درویش کو دے دیں۔ یا تبرک کے طور پر پھاڑ کر تقسیم کر دیں۔

لیکن جب کپڑا درست ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کپڑا پھاڑنے والے یا اتار کر پھینک دینے والے سامع درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر قوال کو دینا مراد ہے تو اسے دے دیا جائے اور اگر مراد جماعت کو دینا ہے تو انہیں دے دیا جائے اور اگر کوئی مراد ظاہر نہ ہو بلکہ یونہی اتار کر پھینک دیا ہے تو مرشد کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے اگر وہ جماعت کو دینے کا حکم دے تو پھاڑ کر ان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر کسی درویش یا قوال کو دینے کا حکم دے تو اسے دے دیا جائے۔ لیکن اگر قوال کو دینا معروف ہو تو درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر انفاق مقصود ہو تو پھر درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر انفاق مقصود ہو تو پھر درویش کا کپڑا قوال کو نہ دیں کیونکہ یہ نااہل کو دینا ہوگا اور جو کپڑا درویش تے یا تو حالت اختیار میں دیا ہوگا یا حالت اضطرار میں۔ اس میں دوسروں کی موافقت کی کوئی شرط نہیں ہے

اور اگر جماعت کے ارادے سے کپڑے کو علیحدہ کیا یا کسی مراد کے بغیر تو اس صورت
میں مراد کی موافقت شرط ہے اور جب جماعت کپڑا پھینکنے میں متفق ہو تو مرشد کو لازم
نہیں کہ وہ درویشوں کے کپڑے قوالوں کو دے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ کوئی محب اپنی طرف
سے کوئی چیز قوال پر قربان کر دے اور ان کے کپڑے درویشوں کو لوٹا دے یا پھاڑ کر
سب کو تقسیم کر دے۔

اگر کپڑا مغلوبی کی حالت میں گر پڑا ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔
اکثر کے نزدیک اس حدیث کی موافقت میں قوال کو دے دیا جائے کہ

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ۔

ترجمہ: ”جس نے قتل کیا وہی مقتول کے سامان کا حقدار ہے۔“

اگر قوال کو نہ دیں تو طریقت کے حکم سے باہر نکلتا ہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے اور یہ بات میرے نزدیک بھی محمود ہے کیونکہ بعض فقہا
کا یہی مشرب ہے کہ مقتول کا سامان بادشاہ کی اجازت کے بغیر قاتل کو نہ دیا جائے۔ یہی
حکم طریقت میں مرشد کا ہے کہ بغیر مرشد کے حکم کے وہ کپڑا قوال کو نہ دیں۔ اگر مرشد
چاہے کہ قوال کو نہ دیا جائے اور کسی کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم
بالصواب

آداب سماع

واضح رہنا چاہئے کہ آداب سماع میں شرط یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو
سماع نہ کرے اور اسے اپنی عادت نہ بنائے۔ لیکن کبھی کبھی سماع کرنے تا کہ اس کی
عادت دل سے نہ جائے۔ لازم ہے کہ بوقت سماع، کوئی مرشد اس مجلس میں موجود ہو اور

یہ کہ مقام سماع، عوام سے خالی ہو اور یہ کہ قوال صاحب عزت ہوں۔ اور دل مشاغل سے
خالی طبیعت لہو و کھیل سے نفرت کرنے والی ہو تو یہ شرط ہے تکلف کو اٹھا دیا جائے اور
جب تک سماع کی قوت ظاہر نہ ہو نہ سنے۔ اس میں مبالغہ شرط نہیں ہے اور جب سماع
کی قوت ظاہر ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اس قوت کو اپنے سے دور کرے بلکہ جیسا اقتضاء ہو
ویسا کرے۔ اگر وہ ہلائے تو ہلے اور اگر ساکن رکھے تو ساکن رہے۔ طبعی قوت اور وجد کی
سوزش کے درمیان فرق محسوس کرے۔ سامع پر لازم ہے کہ اس میں اتنی قوت دید ہو کہ
وارد حق کو قبول کر سکے اور اس کا حق ادا کر سکے اور جب وارد حق کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو
اسے بتکلف اپنے سے دور نہ کرے۔ جب سامع کی قوت برداشت جاتی رہے تو بتکلف
جذب نہ کرے اور لازم ہے کہ بحالت حرکت کسی سے مدد کی توقع نہ رکھے اگر کوئی مدد
کرے تو منع بھی نہ کرے اور اس کی مراد اور اس کی نیت کو نہ آزمائے۔ کیونکہ اس میں
آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کسی کے سماع میں
دخل نہ دے اور اس کا وقت پراگندہ نہ کرے نہ اس کے حالات میں تصرف کرے۔
لازم ہے کہ اگر قوال اچھا کلام سنائے تو اس سے یہ نہ کہے کہ تم نے اچھا کلام سنایا اور اگر نا
پسندیدہ ہو تو برا بھی نہ کہے اور اگر وہ ایسا ناموزوں شعر ہو جس سے طبیعت کو ناگواری ہو تو یہ
نہ کہے کہ اچھا کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے۔ اسے درمیان میں نہ دیکھے بلکہ سب
حوالہ حق کر دے اور درست ہو کر سنے۔ اگر کسی گروہ کو حالت سماع میں دیکھے اور اسے
اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے صحو کے سبب ان کے سکر کا انکار کرے۔
لازم ہے کہ اپنے وقت کے ساتھ آرام سے رہے اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ صاحب وقت
کی عزت کرے تا کہ اس کی برکتیں اسے بھی پہنچیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسے زیادہ محبوب رکھتا
ہوں کہ مبتدیوں کو سماع کی اجازت نہ دیں تا کہ ان کی طبیعت میں یکسوئی رہے کیونکہ

پراگندگی میں بڑے خطرے اور بڑی آفتیں ہیں۔ اس لئے کہ چھتوں سے اور اونچی جگہوں سے عورتیں بحالت سماع ان کو دیکھتی ہیں۔ اسی سبب سے سامعین کو شدید حجابات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لازم ہے کہ نوخیز لڑکوں کو بھی درمیان میں نہ بٹھائیں اور ایسا کبھی نہ ہونے دیں۔

اب میں ان جاہل صوفیوں سے جنہوں نے ان باتوں کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے اور صداقت کو درمیان سے ہٹا دیا ہے خدا سے استغفار کرتا ہوں کیونکہ اس قسم کی آفتیں ہم جنسوں سے مجھ پر گزر چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق و مدد کا خواست گار ہوں تا کہ میرا ظاہر و باطن ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہے۔ میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب کے احکام اور ان کے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھیں۔

و بیدہ التوفیق، والحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ
اجمعین وسلم تسلیما کثیرًا کثرًا۔

(ماخوذ کشف المجوب از حضرت داتا گنج بخش ؒ)

✿ ✿ ✿

سماع کے متعلق اہم فتویٰ

(از شہزادہ اعلیٰ حضرت)

بِسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرحیم
نحمدُہٗ و نُصَلِّی علیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم۔

مسئلہ:

مرسلہ جناب محمد نظام الدین صاحب قادری برکاتی نوری رسولی محلہ کھاردارواڑ متصل بالا پیر شہر سورت۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل ہیں۔ مزامیر یعنی ڈھول طلبہ، سارنگی وغیرہ کے ساتھ قوالی سننا جائز ہے یا ناجائز؟ زید کہتا ہے کہ صوفیوں کو مزامیر کے ساتھ سننا جائز ہے اور بکر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب ؒ نے کتاب احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۳۳ و ۴۳ پر مزامیر کے ساتھ قوالی کو حرام لکھا ہے اور حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی ؒ کی کتاب فوائد الفواد کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لہٰذا مزامیر کے ساتھ ہر شخص کو قوالی سننا ناجائز ہے۔ تو زید کا کہنا درست ہے؟ یا بکر کا قول صحیح ہے؟ غیر محرم عورت کے بے پردہ مرید کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے۔ جائز ہے۔ کسی طرح حرج نہیں۔ پردہ سے بے ایمان لوگ مرید کیا کرتے ہیں اور بکر کہتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ؒ نے فتویٰ کتاب النکاح حصہ دوم صفحہ ۱۲ پر تحریر کیا ہے کہ مریدہ کو اپنے پیر

کے سامنے بے پردہ آنا ناجائز ہے لہٰذا ناجائز ہے۔ تو زید کا کہنا صحیح ہے یا بکر کا قول صحیح ہے؟

قادری سلسلے کا مرید چشتیہ میں طالب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے۔ فقیر کو اختیار ہے۔ قادری سلسلے کے مرید کو چشتیہ میں طالب کر سکتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ حضرت باہو علیہ الرحمۃ رسالہ تیغ برہنہ صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں کہ اگر قادری طریقے کا مرید کسی دوسرے طریقہ میں چلا جائے۔ تو خواہ بانصیب ہی ہو تو بھی بے نصیب اور مردود ہو جاتا ہے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات حصہ دوم صفحہ ۷۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں کسی سلسلہ کا آئے اس سے بیعت لے لیتا ہوں۔ سوائے غلامانِ قادری کے بحر کو چھوڑ کر نہر کی طرف کوئی نہیں آتا۔ لہٰذا بزرگوں کے فرمانے سے قادری سلسلے کا مرید کسی دوسرے سلسلے میں طالب نہیں ہوسکتا تو شریعت مطہرہ کے فواقق تحریر فرمائیے کہ زید کا کہنا صحیح ہے یا بکر کا قول درست ہے؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

بکر کا قول صواب وصحیح ہے اور قولِ زید محض باطل وقبیح وفضیح بکر مصیب ومثاب زید بے قید مستوجب غضب ومبتلائے قہر وعتاب، گرفتار عذاب ہے کہ وہ بے علم فتویٰ دیتا ہے اور بے علم فتویٰ دینا حرام حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ انّ السّمع والبصر والفؤاد کلّ اولٰئک کان عنہُ مسئولًا۔ وَ قال عز من قائل سبحانہ و تعالیٰ شانہ لا تقولوا لِما تصف السنتکم الکذب ھٰذا

حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب الاٰیۃ
و قال تعالیٰ ام کنتم شھداء اذ وصّٰکم اللہ بھٰذا فمن اظلم ممّن افتریٰ علی اللہ کذبا لیضلّ الناس بغیر علمہٖ الاٰیہ۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لَعنتہُ ملٰئکۃ السّمٰوٰت والارض۔

مزامیر جنہیں مٹانے کے لیے حضور پرنور نبی اکرم سید عالم ﷺ تشریف لائے کما فی الحدیث مطلقاً حرام ہیں نہ صوفی کو حلال نہ غیر صوفی کو۔ مزامیر نہ ہونا شرطِ اباحتِ سماع ہے۔ جن کے لیے سماع حلال ومباح ہے۔ مجرد سماع چار قسم ہے۔ حلال، حرام، مکروہ ومباح۔ اگر صاحب وجد کا میلان جانبِ حق اکثر وبیشتر ہے اسے مباح ہے اور اگر میل بمجاز زائد ہے۔ تو اسے مکروہ ہے اور جو بالکل مجاز کی طرف مائل ہو تو اس کے لیے حرام اور جو بالکلیہ جانبِ حق مائل اور مجاز سے یکسر منقطع ہو اس کے لیے حلال ہے۔ بعض متصوفہ خصوصاً مریدانِ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نے یہ ظلم ڈھایا اور نیا ستم برپا کیا ہے کہ زبردستی مزامیر کے جواز کا باطل دعویٰ کرلیا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ جو چشتی ہو جائے۔ اسے مزامیر حلال۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا باللہ العلیّ العظیم۔ گویا چشتیوں کی شریعت اور ہے۔ اور سلاسل کی شریعت اور والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس لیے مناسب کہ ہم حضور پرنور سیدنا سلطان المشائخ نظام الحق والشریعۃ و بطریقۃ والدین محبوبِ الٰہی قدس سرہ العزیز کے ملفوظاتِ کریمہ سیر الاولیاء سے جس کے جامع حضور کے مرید وخلیفہ حضرت میر خورد مولانا سید کرمانی قدس سرہ النورانی ہیں۔ بثبوتِ حرمت پیش کریں۔ اس وقت اگر وطن سے دور اور کتب سے مجبور نہ ہوتا۔ تو اور بھی بعض سادات حضرات چشت

سے ثبوت پیش کرسکتا۔خصوصاً لطائفِ اشرفی۔مگر منصف کے لیے یہ بھی کافی اور ہٹ دھرم کو دفتر بھی نادانی۔

حضور سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں:

''سماع بر چہار قسم است،حلال وحرام مکروہ ومباح۔اگر صاحب رامیل بسوئے حق بیشتر است آں مباح است۔ و اگر مَیل بمجاز بیشتر است مکروہ است و اگر مَیل بکلی بطرفِ مجاز است آں حرام است۔و اگر مَیل بکلی بطرفِ حق است آں حلال است۔''

اس کے بعد اس پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس می باید کہ صاحبِ ایں کار حلال وحرام ومکروہ ومباح بشناسد''

پھر فرماتے ہیں کہ اباحتِ سماع کے لیے چند چیزیں درکار مسمع، مستمع، مَسموع و آلۂ سماع۔ مسمع وہ چیز جو گائی جائے۔فحش ومسخری نہ ہو اور آلۂ سماع مزامیر جیسے چنگ ورباب وغیرہ۔اس سے مجلس پاک ہو۔ارشاد فرماتے ہیں:

''چندیں چیز می باید۔تا سماع مباح شود مسمع و مستمع و مسموع و آلۂ سماع۔یعنی گوینده مرد تمام باشد۔کودک نباشد دعوت نباشد و مستمع آنکہ می شُنود۔از یادِ حق خالی نباشد۔ و مسموع آنچہ بگویند۔فحش و مسخرگی نباشد۔و آلۂ سماع مزامیر است چوں چنگ ورباب ومثل آں می باید کہ درمیان نباشد۔ایں چنیں سماع حلال است وسماع صوتے است موزوں چرا حرام باشد۔''

صوفیوں کو خصوصاً چشتیوں کو حلتِ مزامیر کی باطل دستاویزیں دینے والے آنکھیں پھاڑ کر دیکھیں کہ حضور سلطان المشائخ سید الصوفیہ سردار چشتیاں نے کہیں صوفیوں، چشتیوں کا حکم علیحدہ بیان کیا کہ سماع کی اباحت کے جو یہ شرطیں ہیں۔وہ غیر صوفیہ کے

لیے ہیں اور چشتیوں صوفیوں کو آزادی ہے۔ان کے لیے مطلقاً حلال ہے اور یہ بھی بتائیں کہ صوفیوں کو مزامیر ہی حلال ہیں یا عورت و امرد کا گانا سننا بھی۔فرق کیا ہے کہ ایک شے جو اوروں کے لیے شرطِ اباحت تھی۔ان کے حق میں نہ ہو اور دوسری ان کے حق میں بھی ہو اور اوروں کے لیے بھی۔جو علت صوفیوں کے لیے جواز کی ہوگی۔وہ مزامیر کے علاوہ عورت و امرد کی آواز کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔پھر وجہ فرق کیا ہے؟

اللہ اکبر!

چشتیت کا دعویٰ اور حضور سلطان المشائخ کے خلاف باطل فتویٰ۔آج کل کے متصوفہ کا ت ذکر کیا۔حضور سلطان المشائخ کے زمانہ کے بعض آستانہ دار درویش جب اس بلا میں مبتلا ہوئے۔تو حضور میں شکایت گذری۔جو سیر الاولیاء شریف میں یوں مذکور ہے:

''بخدمت حضرت سلطان المشائخ۔عرض داشت کہ دریں روزہا بعض از درویشاں آستانہ دار در مجمعے کہ چنگ ورباب ومزامیر بود، رقص کردند،فرمود نیکو نکردہ اند۔آنچہ نامشروع است ناپسندیدہ است۔''

یعنی ایک صاحب نے خدمت سلطان المشائخ قدس سرہ میں گزارش کی کہ بعض وہ درویش جو آستانہ دار ہیں۔انہوں نے ایسے مجمع میں جہاں چنگ ورباب و مزامیر تھے۔رقص کیا۔آپ نے ارشاد فرمایا۔انہوں نے اچھا نہ کیا کہ جو چیز نامشروع ہے۔ناپسندیدہ ہے۔

اس سے بھی زیادہ اور کوئی نقص درکار ہے۔آنکھیں چیر کر دیکھو کہ حضور سلطان المشائخ کس کو ناجائز فرمارہے ہیں۔مزامیر و چنگ ورباب کو۔اور خوب آنکھیں مل مل کر دیکھو کس کے لیے ناجائز فرمارہے ہیں۔صوفیوں ہی کے لیے تو۔اسی پر بس نہیں۔اللہ عز جلالہ کی ہزاراں ہزار رحمتیں اور کروڑہا کروڑ برکتیں روح پرفتوح حضور سلطان المشائخ پر ہوں کہ ان متصوفہ کے لیے بالکل جائے۔دم زدن باقی اور ان کے عذر مقبوح ومذبوح

کی کوئی رگ پھڑکتی نہ چھوڑی۔

اسی سیر الاولیاء میں ہے:

"بعد ازاں یکے گفت۔ چوں ایں طائفہ ازاں مقام بیرون آمدند بایشاں گفتند کہ شما چہ کردید در آں جمع مزامیر بود۔ سماع چگونہ شنیدید و رقص کردید ایشاں جواب دادند کہ ما چناں مستغرقِ سماع بودیم کہ ندانستیم کہ اینجا مزامیر ہست۔ یا نہ۔ حضرت سلطان المشائخ فرمود۔ ایں جواب ہم چیزے نیست۔ ایں سخن در ہمہ معصیتہا بیاید۔"

یعنی بعد اس کے حضور کی خدمت میں شکایت گزری اور حضور نے اس کا وہ جواب فرمایا۔ ایک صاحب نے ان کا یہ عذر گذارش کیا کہ جب وہ طائفہ صوفیہ اس جگہ سے باہر آیا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ایسے مجمع میں جہاں مزامیر تھے۔ تم نے سماع کیسے سنا؟ اور کیوں کر رقص کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں خبر ہی نہیں تھی کہ یہاں مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضور سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا: یہ جواب بھی کچھ نہیں کہ یہ عذرِ باطل تو تمام معصیتوں پر ہوسکتا ہے یعنی آدمی شراب پیئے اور کہہ دے مجھے خبر ہی نہ تھی کہ یہ شراب ہے یا شربت۔ ماں کے ساتھ زنا کرے اور کہہ دے میں تو ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ معلوم ہی نہ کرسکا کہ یہ ماں ہے یا بیوی۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔**

نیز اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ حضور سلطان المشائخ کی مجلس شریف میں کسی نے حضور سے عرض کی کہ فلاں موضع میں اس وقت حضور کے مریدوں کا مجموع ہے۔ اس میں مزامیر و محرمات ہیں۔ فرمایا میں منع کر چکا ہوں کہ مزامیر و محرمات درمیان نہ ہوں۔ انہوں نے اچھا نہیں کیا اور اس بارے میں بہت غلو فرمایا۔ یہاں تک ارشاد کیا

کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور جماعت میں عورتیں بھی ہوں اور امام کو سہو ہو تو مرد تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو سہو سے آگاہ کرلے اور اگر عورت سہو پر وقوف پائے تو تسبیح نہ کہے کہ اس کی آواز غیر محرموں کو سننا جائز نہیں۔ پشتِ دست کفِ دست پر مارے اور ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ تالی ملاہی سے ہے۔ یہاں تک ملاہی و امثالِ ملاہی سے پرہیز وارد ہے تو سمع میں بطریق اولیٰ ملاہی سے کچھ نہ ہونا چاہیے۔ جب دستک میں اس قدر احتیاط ہے تو سماع میں مزامیر بطریق اولیٰ ممنوع ہیں۔

عبارت سیر الاولیاء یہ ہے:

در مجلس حضرت سلطان المشائخ شخصے تقریر کرد کہ اکنوں در موضع فلاں یارانِ شما جمعیتے کردہ اند۔ و مزامیر و محرمات درمیان است۔ حضرت سلطان المشائخ فرمود کہ من منع کردہ ام۔ کہ مزامیر و محرمات درمیان است۔ حضرت سلطان المشائخ فرمود کہ من منع کردہ ام۔ کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد۔ نیکو نہ کردہ اند۔ و دریں باب بسیار غلو کرد۔ تا بحدّے کہ گفت کہ اگر امامے در نماز باشد۔ و جماعتے کہ در عقبِ او مقتدی شوند۔ و در آں جماعت عورات ہم باشد۔ پس اگر امام را سہو افتد۔ مردانے کہ اقتداء کردہ باشد یکے تسبیح اعلام دہد۔ بگوید سبحان اللہ نہ گوید۔ زیرا کہ نشاید آواز آں شنودن۔ پس چہ کنند۔ او پشتِ دست بر کفِ دست زند۔ و کفِ دست بر کفِ دست نزند کہ آں بلہوے ماند۔ تا ایں غایت از ملاہی و امثالِ آں پرہیز آمدہ است۔ پس در سماع مزامیر بطریق اولیٰ منع است"

آنکھیں کھولو۔ دیکھو تم کہاں جارہے ہو۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

کیا اب بھی جوازِ مزامیر کا بے سرا راگ گائے جاؤ گے؟ کیا اب بھی وہی بے وقت کی راگنی الاپے جاؤ گے۔ حضور سلطان المشائخ کے فرمانِ ذی شان کے آگے

سرِ تسلیم جھکاؤ اور اپنے غلط و باطل کہے پر پشیمان ہو اور شرماؤ۔ کیا حضور نے مزامیر کو ناجائز، حرام ممنوع و معصیت نہ فرمایا۔ کیا حضور نے ان کا معصیت ہونا غیر صوفیہ کے ساتھ خاص فرمادیا۔ کیا خود صوفیہ کے لیے بار بار نہ فرمایا کہ میں منع کر چکا ہوں۔ انہوں نے برا کیا۔ نامشروع کام نئے بھی آگے ہیں اور رہوں بھی۔ تو علی الاطلاق یہ کہنا کہ صوفیوں کے لیے مزامیر حلال ہیں کیونکہ برمحل ہوگا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔

ہاں جو مکلف نہیں یا مضطر ہیں۔ ان کے احکام ہمیشہ مکلف و مختار سے جدا ہیں۔ احکام اضطرار اور ہیں۔ احکام اختیار اور۔ وہ ایک مزامیر کیا ہر امر میں علیحدہ ہیں۔ پھر کیا کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ سور کا گوشت حلال ہے۔ حالانکہ خود قرآنِ عظیم میں مضطر کا استثناء "فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ" موجود ہے۔ غیر مکلّف پر تو احکامِ شرعیہ کا اجراء ہی نہیں کہ عقل شرطِ تکلیف ہے اور وہ اوس میں مفقود ہے۔ رہا مضطر۔ اسے اسی وقت اور اتنے ہی کی جس سے وہ نقصانِ عظیم سے محفوظ رہ سکے۔ رخصت ہے۔ بعض اجلّہ اکابر جو چنگ سنتے تھے۔ اسے کبیرہ فرماتے ہیں۔

اسی سیر الاولیاء میں ہے:

"مولانا برہان الدین بلخی راہا وفورِ علم کمال صلاحیت ہم بودہ است۔ چنانچہ بارہا گفتے کہ خدائے عزوجل مرا از ہیچ کبیرہ نخواندہ پرسید آنگاہ حضرت سلطان المشائخ تبسم کرد فرمود۔ کہ ایں ہم گفتی۔ مگر یکے از کبیرہ از و پرسید کہ آں کبیرہ کدام است، گفت سماع چنگ کہ چنگ بسیار شنیدہ ام۔"

یہ مولانا برہان الدین بلخی ان اکابر سے ہیں۔ جن کے فضل کے شاہد عدل حضور سلطان المشائخ قدس سرہ ہیں اور جن کے علامہ عصر ہوتے اور ایسے عظیم درجہ پانے کی

پیشگوئی حضور امام العصر برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ مرغینانی قدس اللہ سرہ النورانی نے فرمائی کہ شاہانِ زمان ان کے در پر حاضر ہوں گے اور بار نہ پائیں گے۔

اسی سیر الاولیاء میں ہے:

"سخن و بزرگیٔ مولانا برہان الدین بلخی افتد۔ فرمود کہ برہان الدین حکایت کرد کہ من خورد بودم بقیاس پنج شش سالہ کم و بیش برابر پدر خود در راہے مے رفتیم۔ مولانا برہان الدین مرغینانی صاحبِ ہدایہ رضی اللہ عنہ پیدا شد۔ پدرِ من از وے تحاشی کرد، دور کوچہ دیگر رفت۔ مرا برجائے گذاشت۔ چوں کوکبۂ مولانا برہان الدین نزدیک رسید من بہ پیش رفتم۔ وسلام کردم۔ درمن تیز بدید ایں سخن تیز بگفت۔ کہ من دریں کودک نورِ علم مے بینم۔ من ایں سخن شنیدم۔ پیش رکابے اور رواں شدم۔ باز مولانا برہان الدین برزبانِ مبارک ایں لفظ راند کہ مرا اللہ تعالیٰ چنیں مے گویاند کہ ایں کودک و روزگار خود علامہ عصر خواہد شد۔ مولانا برہان الدین مے گوید کہ من ایں چنیں شدیم۔ وہمچناں من پیش مے رفتم۔ باز مولانا برہان الدین مرغینانی فرمود کہ خدائے تعالیٰ مرا چنیں می گویاند کہ ایں کودک چناں بزرگ شود۔ کہ بادشاہاں بر و راو بیایند۔ و بار نیابند۔"

ایسے عالی مرتبت جلیل القدر بزرگ علامہ روزگار باجود اس کے خود استماع فرماتے۔ مگر اسے کبیرہ ہی فرماتے۔ ان کے یہ کلماتِ طیبہ کہ "خدائے عزوجل مرا از ہیچ کبیرہ نخواہد پرسید" اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ کہ وہ ایسے حال میں ہیں کہ زیرِ قلم تکلیف ہی نہیں۔ نیز آگے ان کا یہ ارشاد کہ "ایں ساعت ہم بشنوم اگر باشد۔" اس کے بعد بھی بے وقت کہ وہی شہنائی رہے گی کہ صوفیوں کو مزامیر حلال ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ و

تعالیٰ اعلم و علمه جلّ مجده اتمّ و احکم۔ فوائد الفوآد شریف ملفوظات
حضور سلطان المشائخ ؓ غالباً مرتبہ حضرت مولانا فخرالدین زرادی خلیفۂ حضور سلطان
المشائخ ؓ کی عبارت دیکھ کر بھی جس کی یہ حالت ہے۔ تو ایسے شخص سے کیا امید کہ
سیرالاولیاء شریف کی یہ عبارت دیکھ کر اپنی غلطی تسلیم کرے گا۔ مگر مولیٰ عزوجل کے فضل و
کرم سے ہرآن امید ہے۔

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار

شاید اب وقت ہدایت آ گیا ہو اور یہ ثواب اس فقیر کے حصہ کا ہو۔ والله
عنده حسن الثواب۔ و الیه المرجع والمآب۔ وهو تعالیٰ اعلم
بالصواب۔

نمبر ۲:

وہ خود بے ایمان ہے۔ جو حکم شرع کو بے ایمانی اور اس پر عامل کو بے
ایمان بتاتا ہے۔ بیشک ہر غیر محرم سے پردہ فرض ہے جس کا اللہ و رسول نے حکم فرمایا۔
جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم بیشک پیر مریدہ کا محرم نہیں ہو جاتا۔ نبی ؑ سے بڑھ کر
امت کا پیر کون ہوگا۔ وہ یقیناً ابوالروح ہوتا ہے اگر پیر ہونے سے آدمی محرم ہو جایا کرتا
تو چاہیے تھا کہ نبی سے اس کی امت سے کسی عورت کا نکاح نہ ہو سکتا۔ حضور سرورِ عالم ﷺ
سے بڑھ کر کون پیر ہوگا، پھر حضور نے اپنی اُمتی بیبیوں سے نکاح فرمایا یا نہیں کیا معاذ
اللہ جن کے محرم تھے ان سے نکاح فرمایا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی
العظیم۔

سبع سنابل شریف میں حضرت قطبِ فلک ہدایت و مرکزِ دائرۂ ولایت سند

المحققین سید العلماء العاملین میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ در جہاں نہ ہمچو مصطفیٰ ﷺ پیرے پیدا شد۔ و نہ ہمچو
ابوبکر مریدے ہویدا گشت۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا"

جب حضرت صدیق اکبر ؓ مرید ہوئے تو حضرت سیدتنا عائشہ ؓ مرید کی
بیٹی۔ ان جہال بےکود کے نزدیک معاذ اللہ پوتی۔ اور پوتی سے نکاح حرام۔ ولا
حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ اللہ تعالیٰ جہل بد بلا سے محفوظ رکھے۔
احمق لفظ منہ سے نکال دیتے ہیں اور اس کے نتیجۂ بد کا لحاظ نہیں کرتے۔ فقیر اس مسئلہ پر
ذرا اور تفصیل کرتا۔ اگر ضرورت سمجھتا مگر چونکہ السواد الاعظم میں اس کا کافی جواب چھپ
چکا ہے۔ اس لیے اسی پر اقتصار کرتا ہے۔ سمجھنے والا اسی سے سمجھ سکتا ہے اور بدعقل نے
سمجھ کے لیے دفتر بےکار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۳:

جہاں تک فقیر سمجھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بیعت جب ایک جامع شروط کے ہاتھ
پر کرے۔ پھر دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا کہ جو ایک کے ہاتھ بک چکا۔
اس کا غلام ہو چکا۔ جب تک آزاد نہ ہو۔ حلقۂ غلامی نکال نہ دے۔ دوسرا اس سے بیعت
نہیں لے سکتا۔ یہ دوسرے کے ہاتھ بک نہیں سکتا۔ پریشان نظر در بدر پھرتا اور ذلیل و
خوار ہوتا۔ دُر دُر سنتا اور کہیں سے فیضیاب نہیں ہو سکتا۔ جو کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے اور
پھر پریشان نظری کرے۔ وہ دھوبی کا کتا ہے۔ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ اور جو ایک کا ہو
رہے۔ وہ ضرور فیضیاب ہوتا ہے۔ اگر پیر جامع شروط ہو۔ اگرچہ صاحب فیض نہ ہو کہ اس
سلسلہ میں جو صاحب فیض ہوگا۔ اس کی اس پر نظرِ کرم ہوگی اور وہ اس پر فیض ڈالے گا۔
بعض اکابر کے مشاہدات اس کے شاہد ہیں۔ طلبِ فیض میں حرج نہیں اور یہ بلانکیر تمام

سلاسل میں جاری ہے۔ خود اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ باوجودیکہ قادری تھے اور سلاسل سے بھی فیضیاب تھے۔ چشتی، سہروردی، نقشبندوغیرہ سلاسل کی بھی حضور پرفتوح کو اجازت تھی۔ یہ اجازت کیا فیض نہیں۔ مگر "یک در بگیر و محکم بگیر۔" پر عمل کرنے والے۔ انہیں بظاہر کہیں سے ملے۔ وہ یقین یہی کرتے ہیں کہ مجھے اسی دَر سے ملا ہے۔ جس سے میں منتسب ہوں۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت قدس سرہ میں آپ نے تین قلندروں کی حکایت ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ جو خدمت، حضور پرنور سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ میں ایک مردار بیل کھا کر حاضر ہوئے تھے۔ الخ

اسے مریدی کہتے ہیں۔ فیض یقیناً حضور سلطان المشائخ سے پایا۔ مگر پیر کے قربان ہورہے ہیں۔ کیونکہ اگر پیر کی نظر کرم نہ ہوتی۔ تو حضرت سلطان المشائخ کیوں نظر رحم فرماتے اور فیض عطا کرتے۔ یہ ہے "یک در گیر و محکم گیر" حضرت سلطان باہو قدس سرہ اختیار کرے اور حضرت عدی بن مسافر کے ارشاد میں غالباً بیعت سے مراد بیعت ارادت نہیں یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی طلبِ فیض کے لیے آئے۔ میں ہر ایک کو فیض عطا کرتا ہوں۔ مگر جو قادری ہو کہ بحر کو چھوڑ کر نہر کے پاس کون آتا ہے۔ یا یہ کہ کسی سلسلہ کا مرید اپنی بیعت توڑ کر آئے۔ میں اس سے بیعت لے لیتا ہوں۔ مگر قادریوں کو بیعت نہیں کرتا کہ وہ پریشان نظر نہیں ہوتے کہ وہ جانتے ہیں کہ حضورِ غوث اعظم بحر ہیں اور اور نہر۔ اوروں کے مرید جو پریشان نظر ہوتے ہیں۔ اپنے پیر پر کامل اعتقاد اور پورا اعتماد نہیں رکھتے۔ وہ اگر بیعت توڑ کر آتے ہیں تو میں بیعت لے لیتا ہوں۔

والله تعالیٰ اعلم بالصواب و ھٰذہ
ما عندی والعلم بالحق عند ربّی
والله تعالیٰ اعلم

(فقیر مصطفیٰ رضا القادری غفرلہٗ)
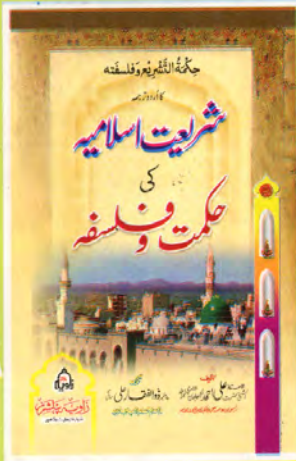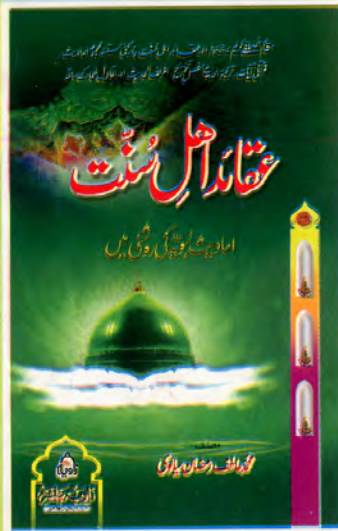
Voice:042-37248657 Fax:042-37112954
Mobile: 0300-9467047 - 0321-9467047 - 0300-4505466
Email : zaviapublishers@gmail.com